الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

غلط کار اپنی غلط کاری کا
براہِ راست مجرم ہوتا ہے
اور جو لوگ اس کی غلط کاری پر چپ رہیں
وہ اس کے بالواسطہ مجرم

MAKTABA AL-RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N. Y. 11230
TEL.: (718) 258-3435

فروری ۱۹۹۲ شمارہ ۱۸۳

تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ ۔ سورۃ بنی اسرائیل
جلد دوم : سورۃ الکہف ۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

فروری ۱۹۹۲ ، شمارہ ۱۸۳

ایک آیت	۴
دعا کی طاقت	۵
لامحدود کی تلاش	۶
اختلاف کو بھلا دیا	۷
عمل نہ کہ ردعمل	۸
دانش مندی	۹
قیمت کا مسئلہ	۱۰
قیامت کی خبر	۱۱
فرق کو جانئے	۱۲
استعداد کا فرق	۱۴
فکری قیادت	۱۵
شاہ کلید	۱۹
نئے خون کی ضرورت	۲۲
فخر، تواضع	۲۵
مارکسزم کا خاتمہ	۲۶
امید کا پیغام	۲۹
سفرنامہ امریکہ — ۴	۳۱
خبرنامہ اسلامی مرکز — ۸۷	۴۷

MAKTABA AL-RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N. Y. 11230
TEL.: (718) 258-3435

AL-RISALA (Urdu) Monthly
The Islamic Centre C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110013, India
Telephone: 611128, 697333 □ Telex: 031-61758 ELSH IN ATTIC
Fax: 91-11-359318, 332601
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US$ 25 (Air Mail)

ایک آیت

قرآن میں مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ جو شخص ان گناہوں میں مبتلا ہوگا اس کے لیے خدا کے یہاں سخت عذاب اور رسوائی ہے۔ اس ذیل میں ارشاد ہوا ہے :

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (الفرقان ۷۰-۷۱)

مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

دین میں کسی عمل کو جانچنے کا معیار اس کا ظاہری پہلو نہیں ہے بلکہ اس کا نفسیاتی نتیجہ ہے۔ ہر دینی عمل کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے۔ مگر کسی عمل سے اللہ تعالیٰ کو اصلاً جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ اس عمل کے دوران آدمی کے اندر کس قسم کا احساس جاگا۔ وہی عبادت عبادت ہے جس میں مشغول ہو کر آدمی کے اندر تواضع کی نفسیات پیدا ہو۔ اگر عبادت کر کے بڑائی کی نفسیات پیدا ہو جائے تو ایسی عبادت انعام کے بجائے مواخذہ کا سبب بن جائے گی۔

انسان فرشتہ نہیں ہے، انسان کے اندر نفس کی کمزوریاں موجود ہیں۔ اس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان بار بار اس دنیا میں پھسل جاتا ہے۔ اس سے بار بار غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اب اگر انسان قصداً کوئی گناہ کرے اور گناہ کر کے اس پر قائم رہے تو وہ اللہ کی نظر میں سخت مجرم ہے۔ وہ قیامت کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ دوسرا انسان وہ ہے جس سے طبعی کمزوری کی بنا پر غلطی ہو جائے۔ مگر غلطی کے بعد وہ فوراً متنبہ ہو۔ اس کے اندر شرمندگی اور توبہ کا احساس جاگے۔ وہ خدا سے معافی مانگے اور آئندہ کے لیے غلطی نہ کرنے کا عزم کرے تو ایسا آدمی اللہ کی نظر میں قابلِ انعام بن جاتا ہے۔

اس کی غلطی اگرچہ ابتداءً غلطی تھی۔ مگر نتیجہ کے اعتبار سے وہ توبہ اور انابت میں ڈھل گئی۔ اس نے آدمی کے اندر ایمان اور عمل صالح کا نیا احساس جگا دیا۔ یہی وہ برائی ہے جو بظاہر برائی ہونے کے باوجود خدا کے یہاں نیکی کے خانہ میں لکھ دی جاتی ہے کیونکہ وہ آدمی کو ایک نیکی تک پہنچانے کا سبب بنی۔

دعا کی طاقت

ہیون سانگ (Hsuan-tsang) ایک چینی بدھسٹ ہے۔ وہ ۶۰۲ء میں پیدا ہوا اور ۶۶۴ء میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ ۶۲۹ء میں چین سے سفر کر کے انڈیا آیا۔ انڈیا کے بارہ میں اس کا سفر نامہ بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے بتایا ہے کہ ہندستان میں قیام کے آخری زمانہ میں ہیون سانگ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا۔ ایک سفر کے دوران کچھ بحری قزاقوں نے اس کو پکڑ لیا۔ یہ لوگ ہندو دیوی دُرگا کے پجاری تھے۔ انھوں نے ہیون سانگ کو اپنی دیوی کے نام بلیدان کرنا چاہا۔ سانگ نے کافی احتجاج کیا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک بودھ درویش ہے اور صرف سچائی کی تلاش میں نکلا ہے۔ مگر بحری قزاقوں نے اس کی چیخ پکار کا کچھ بھی لحاظ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بظاہر اس کی موت یقینی ہوگئی۔

ہیون سانگ اس وقت کشتی پر سوار تھا۔ آخر کار وہ خاموش ہو کر دھیان گیان اور دعا میں مصروف ہوگیا۔ جس وقت وہ دعا اور مراقبہ میں مشغول تھا، سمندر میں زبردست طوفان اٹھا موجوں کے تھپیڑے نے کشتی کو گھیر لیا۔ یہ منظر دیکھ کر بحری قزاق اتنا گھبرائے کہ انھوں نے ہیون سانگ کو چھوڑ دیا اور شرمندہ ہو کر اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے :

While he was absorbed in meditation, a violent storm arose that buffeted the boat. The pirates were so terrified that they freed the holy monk and asked for forgiveness and repentance. (8/1126)

چینی سیاح کے ساتھ یہ جو واقعہ پیش آیا۔ وہ قرآن کے اس بیان کے مطابق تھا کہ جب کوئی آدمی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو پہنچ جائے اور اس وقت وہ دل سے خدا کو پکارے تو خدا اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو اس سے دور کر دیتا ہے (النمل ۶۲) اس میں مومن اور غیر مومن کی کوئی تفریق نہیں۔ جو بندہ بھی اپنے کسی نازک وقت میں اپنے رب کو پکارے گا وہ اس کی طرف سے اس کا جواب پائے گا۔

اس قسم کے واقعات ایک طرف خدا کے وجود کا ثبوت ہیں، اور دوسری طرف وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان تنہا نہیں بلکہ اس کا ایک پاسبان ہے جو ہر مشکل وقت میں اس کے کام آتا ہے۔

لامحدود کی تلاش

مسٹر خوشونت سنگھ نے اپنے ہفتہ وار کالم (ہندستان ٹائمس ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۱) میں آنجہانی چرن جیت سنگھ کا قصہ لکھا ہے۔ انھوں نے بے شمار تجارتیں (innumerable businesses) قائم کیں۔ انھوں نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر بہت سی قیمتی جائدادیں بنائیں۔ کیمپا کولا سے لے کر فرنیچر تک طرح طرح کے نفع بخش کاروبار ان کی ملکیت تھے۔ لندن میں بھی ان کا ایک عظیم ہوٹل موجود تھا۔ جدید ترین کاروں کا ایک پورا دستہ ہمہ وقت ان کی خدمت کے لیے تیار رہتا تھا۔ وغیرہ

آخر کار اپنے وسیع تجارتی ایمپائر کو چلانا ان کے لیے مشکل بن گیا۔ وہ سخت پریشان رہنے لگے۔ یہاں تک کہ خوشونت سنگھ کے الفاظ میں ——— حد سے بڑھا ہوا بوجھ ان کی طاقت سے زیادہ ثابت ہوا۔ وہ اکیاون سال کی عمر پوری کرنے سے پہلے ہی مر گئے :

The strain proved too much for him. He died before he was 51.

انسان کی فطرت ایک غیر قانع فطرت ہے۔ انسان عین اپنی فطرت کے اعتبار سے اپنے لیے ایک لامحدود دنیا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہر آدمی اپنے دائرہ کار کے اعتبار سے لامحدود دنیا حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ مگر آخر کار وہ محسوس کرتا ہے کہ یہاں وہ اپنی لامحدود دنیا کی تعمیر نہیں کر سکتا۔ اب اس کی صلاحیتیں جواب دے دیتی ہیں۔ لامحدود کو چاہنے والا اپنی محدودیت کا شکار ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔

کیا قدرت نے انسان کے اوپر ظلم کیا ہے۔ کیا لامحدود کی طلب دے کر انسان کو ایک ایسے محدود عالم میں بھیج دیا گیا ہے جہاں وہ کبھی اپنے مطلوب کو حاصل نہ کر سکے۔ نہیں۔ یہاں غلطی قدرت کی طرف نہیں ہے بلکہ انسان کی طرف ہے۔ انسان کا موجودہ مزاج اس لیے تھا کہ دنیا کو اپنے لیے ناکافی پا کر وہ آخرت کی طرف لوٹ جائے۔ وہ اپنی ذات کی طرف دوڑنے کے بجائے خدا کی طرف دوڑے۔ مگر انسان اس راز کو نہیں سمجھ پاتا۔ آخرت میں ملنے والی چیز کو وہ موجودہ دنیا ہی میں پا لینا چاہتا ہے۔ یہاں اس کی شخصیت تضاد کا شکار ہو جاتی ہے۔ کامیابی کے امکان کے کنارہ پہنچ کر وہ اپنے آپ کو ناکامی کے گڑھے میں گرا لیتا ہے۔

اختلاف کو بھلا دیا

گورباچوف (Mikhail Gorbachev) ۱۹۸۵ میں سوویت روس میں برسر اقتدار آئے۔ انھوں نے پارٹی میں اپنے موافق افراد لانے کے لیے اس کے ڈھانچہ کو بدلنا شروع کیا۔ اس وقت بورس یلتسین (Boris Yeltsin) پولٹ بیورو کے ممبر تھے۔ گورباچوف ان کی غیر معمولی شخصیت سے خائف تھے۔ اس لیے وہ یلتسین کو پولٹ بیورو میں شامل کرنے کے مخالف تھے۔ یہ اختلاف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۷ میں یلتسین نے پارٹی کے تمام اعلیٰ عہدوں سے استعفا دے دیا :

1987: Yeltsin resigns from top party posts after row with Gorbachev and politburo colleagues. (p. 12)

۱۹۸۹ میں یلتسین جمہوریہ روس کی صدارت کے لیے کھڑے ہوئے تو گورباچوف نے ان کی مخالفت کی۔ اور ان کے مقابلہ میں دوسرا امیدوار کھڑا کیا۔ تاہم اس مخالفت کے باوجود یلتسین کامیاب ہوئے اور جمہوریہ روس کے صدر بن گئے (ہندستان ٹائمس ۲۶ اگست ۱۹۹۱)

روسی کمیونسٹ پارٹی کے انتہا پسند گروہ نے ۱۹ اگست ۱۹۹۱ کو گورباچوف کے خلاف بغاوت کی اور ان کو ہٹا کر کریملن کی حکومت پر قابض ہو گئے۔ اس کا حوصلہ بھی ان کو اسی اختلاف سے ملا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یلتسین اور گورباچوف کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر وہ گورباچوف کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ مگر عملاً اس کے برعکس صورت حال پیش آئی۔ بغاوت کے بعد یلتسین نے اپنے تمام اختلافات کو بھلا دیا۔ انھوں نے اپنی پوری طاقت اور اپنی ساری ذہانت گورباچوف کی حمایت پر لگا دی۔ اپنی ذات کو خطرہ میں ڈال کر انھوں نے باغی حکمرانوں کے خلاف عوام کو منظم کیا۔ بغاوت کے اگلے ہی دن اس کے خلاف ماسکو میں اتنا بڑا عوامی مظاہرہ کرایا کہ باغیوں کو حکومت چھوڑ دینا پڑا۔ ۲۱ اگست ۱۹۹۱ کو گورباچوف کریمیا سے واپس آگئے اور دوبارہ حکومت کا عہدہ سنبھال لیا۔ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ گورباچوف کا زندہ بچ جانا اور دوبارہ صدر کے عہدہ پر واپس آجانا یلتسین کا کارنامہ ہے۔

بلند فطرت آدمی کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے۔ مشکل وقت میں وہ شکایت اور اختلاف کو بھلا کر انسان کا ساتھ دیتا ہے۔ جبکہ پست فطرت آدمی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

عمل نہ کہ ردعمل

امریکہ کی کمپنی آئی بی ایم (IBM) کمپوٹر کے میدان میں اتنی آگے تھی کہ اس کو کمپوٹر دیو (computer giant) کہا جاتا تھا۔ چند سال پہلے اس کے افسروں نے جاپان کی کمپوٹر بنانے والی کمپنیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ آئی بی ایم اگر چھینک دے تو جاپان کے کمپوٹر بنانے والے ہوا میں اُڑ جائیں گے :

When IBM sneezes, Japanese computer makers are blown away.

اگر ہندستان میں کوئی ہندو مسلمانوں کے خلاف ایسی بات کہہ دے تو مسلمانوں کے تمام سطحی لیڈر اور ان کے تیسرے درجے کے اخبارات فوراً احتجاج کریں گے کہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے جا رہے ہیں مگر "انتظامیہ" اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکارہ ثابت ہوئی ہے۔ مسلم عوام اس "اشتعال انگیزی" پر مشتعل ہو کر آمادۂ پیکار ہو جائیں گے اور اس کے بعد فرقہ وارانہ فساد ہوگا جس کے بعد اس ملک کے مسلمان کچھ اور پیچھے چلے جائیں گے۔

مگر جاپانی صنعت کاروں نے اس "اشتعال انگیزی" پر کسی غصہ کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ہمہ تن صرف اپنے کمپوٹر کا معیار اونچا کرنے میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ (ٹائم، ۷ ستمبر ۱۹۹۰ کے مطابق) جاپان کمپوٹر انڈسٹری میں ساری دنیا سے آگے بڑھ گیا۔ جاپان اس معاملہ میں آج اس پوزیشن میں ہے کہ جاپانی کمپنی فوجٹسی نے کہا کہ اس کے نئے زیادہ بڑے کمپوٹر ایک سکنڈ میں ۶۰۰ ملین ہدایات کی تعمیل کر سکتے ہیں، جب کہ امریکی کمپنی آئی بی ایم کا اچھے سے اچھا کمپوٹر صرف ۲۱۰ ملین فی سکنڈ کی رفتار سے تعمیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے :

Fujitsu said its largest new computer can perform up to 600 million instructions per second, compared with as many as 210 MIPS for IBM's best. (p.47)

اشتعال انگیزی پر مشتعل ہو جانے کا نام ردعمل ہے، اور اشتعال انگیزی کو نظر کر کے اپنے تعمیر و استحکام کے منصوبہ میں لگنے کا نام عمل۔ اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ "عمل" کا ثبوت دینے والے لوگ ترقی کریں، اور "ردعمل" میں مصروف ہونے لوگ برباد ہو کر رہ جائیں۔

دانش مندی

آج کا سماج کتنا زیادہ بگڑ گیا ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ایک واقعہ پڑھئے۔ انڈین اکسپریس (۲۴ جولائی ۱۹۸۷) صفحہ ۳ پر نئی دہلی کی ایک خبر ہے جس کا عنوان ہے :

Son kills mother as she refuses to pay Rs 500

خبر میں بتایا گیا ہے کہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۷ کو دہلی کے ایک ۲۳ سالہ نوجوان اشوک کمار نے اپنی ماں شیلا سے ۵۰۰ روپے مانگے۔ ماں نے انکار کیا۔ جس کے نتیجہ میں اشوک کمار بگڑ گیا۔ گھر میں پتھر کی سل تھی۔ اشوک کمار نے یہ پتھر کی سل اٹھا کر اپنی ماں کے سر پر پٹک دی۔ ماں کا سر پھٹ گیا اور وہ مر گئی۔ اس کے بعد اشوک کمار نے اپنی ماں کی لاش لوہے کے ایک بکس میں بند کر کے اس میں تالا ڈال دیا اور خون کے دھبے دھو دیے۔ اس کے بھائی اور بہن شام کو آئے تو اس نے کہہ دیا کہ ماں پنجاب چلی گئی ہے کیونکہ وہاں سے باپ کی بیماری کی خبر آئی تھی۔ مگر اگلے دن جب بکس سے سخت بدبو آنے لگی تو بکس کھولا گیا۔ بکس کے اندر ماں کی سڑی ہوئی لاش موجود تھی۔ اشوک کمار نے قتل کا اقرار کیا اور اب وہ پولیس کی حراست میں ہے۔

جس ملک میں بیدردی اور بے راہ روی کا یہ عالم ہو وہاں مسلمان اگر ناخوش گوار باتوں سے اعراض نہ کریں اور ہر بات پر دوسروں سے لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار رہیں تو اس کا نتیجہ ذلت اور بربادی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ ایسے ماحول میں جو لیڈر انھیں سکھاتے ہیں کہ "ڈٹ کر ظلم کا مقابلہ کرو" وہ یقیناً یا بدترین پاگل ہیں یا بدترین شاطر۔ کیوں کہ کوئی بھی سنجیدہ اور ہوش مند آدمی ایسے حالات میں لڑنے بھڑنے کا سبق نہیں دے سکتا۔

نادان آدمی صرف اپنے آپ کو دیکھتا ہے، اور دانش مند آدمی اپنے ساتھ دوسروں کو۔ اور انسانوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں وہی شخص کامیاب ہوگا جو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی دیکھے اور اپنی سرگرمیوں میں ان کا لحاظ کرے۔ اس کے برعکس جو شخص صرف اپنے آپ کو دیکھے وہ اس دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کی زندگی کی گاڑی منزل تک نہیں پہنچے گی بلکہ راستہ ہی میں ٹکرا کر تباہ ہو جائے گی۔

یہ زندگی کی حقیقت ہے، اور یہ حقیقت کبھی بدلنے والی نہیں۔

قیمت کا مسئلہ

مولانا فرید الوحیدی جدہ میں رہتے ہیں۔ انھوں نے یکم نومبر ۱۹۹۱ کی ملاقات میں ایک بہت بامعنی مقولہ سنایا۔ انھوں نے کہا کہ ایک شخص جو ماونٹ ایورسٹ کو فتح کرنا چاہتا ہو وہ کبھی جوتوں کی قیمت کی گنتی نہیں کرتا :

One who wants to conquer the mount Everest,
never counts the cost of his shoes.

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے چھوٹا مقصد ہو تو معمولی کوشش سے آپ اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کوئی بڑا مقصد اپنے لیے منتخب کریں تو آپ کو یہ بھی جاننا ہوگا کہ بڑا مقصد بڑی قیمت بھی مانگتا ہے۔ جو شخص بڑا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو بڑی قیمت دینے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

بڑی کامیابی کسی کی اجارہ داری نہیں۔ ہر آدمی بڑی کامیابی تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بہت کم لوگ بڑی کامیابی تک پہنچ پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بڑی کامیابی کی قیمت ادا نہیں کرتے۔ بازار میں کم قیمت پر کم چیز ملتی ہے اور زیادہ قیمت پر زیادہ چیز۔ یہی زندگی کا اصول بھی ہے۔ زندگی کا قانون ایک لفظ میں یہ ہے کہ ـــــ جتنا دینا اتنا ہی پانا، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔

قیمت کا مطلب لڑنا یا خون بہانا نہیں ہے۔ اس کا تعلق مال سے بھی نہیں ہے۔ اس کا تعلق سب سے زیادہ نفسیات سے ہے۔ اس دنیا میں سب سے بڑی قیمت وہ ہے جو نفسیات کی سطح پر دی جاتی ہے۔ نفسیاتی قیمت سے مراد ہے : ناگواریوں کو برداشت کرنا۔ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونا۔ لوگوں کے ناروا سلوک کے باوجود اپنی طرف سے بدسلوکی نہ کرنا۔ مایوسی کے حالات میں بھی حوصلہ نہ کھونا۔ نقصان پیش آنے کے باوجود اپنی امید قائم رکھنا۔ تاریک حالات میں بھی روشنی کی کرن دیکھ لینا۔

سب سے بڑی قربانی یہ ہے کہ آدمی کے سینہ میں غصہ اور انتقام کی آگ بھڑکے مگر وہ سینہ کے اندر ہی اس کو بجھا دے۔ آدمی کو کسی سے تکلیف پہنچے پھر بھی وہ اس کے بارہ میں بدگمان نہ ہو۔ آدمی کو منفی حالات سے سابقہ پیش آئے اس کے باوجود وہ مثبت نفسیات پر قائم رہے۔ وہ حالات سے اوپر اٹھ کر جئے نہ کہ حالات کے اندر۔

قیامت کی خبر

۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ کو صبح پونے تین بجے ایک شدید زلزلہ (high-intensity earthquake) آیا۔ اس کا مرکز الموڑہ (یوپی) تھا۔ مگر اس نے دہلی تک کے علاقہ کو بُری طرح ہلا دیا۔ سیکڑوں مکانات گر گئے۔ ہزاروں مکانوں کو نقصان پہنچا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ تین ہزار سے زیادہ آدمی زخمی ہوئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ زلزلہ تقریباً ۴۵ سکنڈ تک رہا۔

اس سلسلہ میں جو عبرت ناک واقعات سامنے آئے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جس رات کو یہ زلزلہ آیا عین اس رات کو پنجاب کے جنگجوؤں نے سرسا (ضلع بریلی) کے پولیس اسٹیشن پر حملہ کیا۔ یہ رات کو ڈھائی بجے کا وقت تھا، انھوں نے رائفلوں (AK-47 rifles) سے فائرنگ شروع کی۔ اس وقت پولیس اسٹیشن میں تھوڑے سے سپاہی تھے۔ بظاہر وہ موثر دفاع کی پوزیشن میں نہ تھے۔

مگر مشکل سے ۱۰ منٹ گزرے تھے کہ بھونچال آگیا۔ زمین ہلنے لگی۔ ہر طرف ایک ہولناک منظر پیدا ہو گیا۔ یہ جنگجوؤں کے لیے سخت خلاف توقع تھا۔ اس سے پہلے ان کے سامنے صرف ایک چھوٹی پولیس چوکی کا مسئلہ تھا۔ اب زمینی بھونچال کا مسئلہ ان کے سامنے آگیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا حوصلہ کھو دیا۔ ٹائمس آف انڈیا (۲۱ اکتوبر ۱۹۹۱) کے الفاظ میں، اور پھر جنگجوؤں نے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کیا غالباً یہ خیال کرتے ہوئے کہ آسمان ان کے اوپر گر رہا ہے :

...and the militants decided to flee probably thinking the heavens were falling on them. (p.16)

بھونچال ایک چھوٹی قیامت ہے جو بڑی قیامت کا پتہ دیتا ہے۔ بھونچال کے سامنے آدمی اپنی بے بسی کا تجربہ کرتا ہے۔ بے بسی کا یہی تجربہ زیادہ بڑے پیمانہ پر اس وقت ہوگا جب کہ آدمی زلزلۂ قیامت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے گا اور وہ اس کو روکنے پر قادر نہ ہوگا۔

آدمی طاقت پاکر سرکشی کرتا ہے۔ مگر جب قیامت کا زلزلہ زمین کو ہلائے گا۔ جب پہاڑ گر پڑیں گے۔ جب سمندر کی موجیں خشکی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ اس وقت انسان سب کچھ چھوڑ کر بھاگے گا۔ مگر وہ مایوسی کے ساتھ دیکھے گا کہ آج اس کے لیے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔

فرق کو جانیے

حدیث میں تعلیم دی گئی ہے کہ تم تجسس نہ کرو (ولا تجسسوا) دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ تم علم کی طلب کرو خواہ وہ چین میں ہو۔ (اطلبوا العلم ولو کان بالصین) تجسس اور طلب علم بظاہر ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ کیوں کہ دونوں میں اصل مقصود معلومات جمع کرنا ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کو جائز اور مطلوب بتایا اور تجسس کو ناجائز اور غیر مطلوب قرار دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تجسس کا مقصد کسی آدمی کے شخصی راز کو جاننا ہوتا ہے۔ تجسس کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ دوسرے آدمی کے ذاتی عیب کو معلوم کرے۔ اس قسم کا تجسس صرف ایک برائی ہے، وہ نفرت، بدگمانی، کشیدگی اور عداوت لے آتی ہے۔ اس سے خاندانی اور سماجی زندگی میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ وہ اصلاح کا سبب نہیں بلکہ بگاڑ کا سبب ہے۔

طلب علم کا معاملہ اس سے سراسر مختلف ہے۔ علم کی طلب معرفت کی طلب ہے۔ وہ حقائق عالم کو جاننے کی کوشش ہے۔ علم کے اضافہ سے آدمی کے ذہن میں وسعت آتی ہے۔ اس کی روح کو معرفت کی غذا ملتی ہے۔ وہ زندگی کے معاملہ میں زیادہ بہتر منصوبہ بندی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ علم آدمی کو اخلاقی اور انسانی حیثیت سے اعلیٰ مرتبہ پر لے جاتا ہے۔

اسی طرح بہت سی چیزیں بظاہر ایک سی نظر آتی ہیں۔ مگر ان میں زبردست نوعی فرق ہوتا ہے۔ دنیا میں صحیح راستہ پر قائم رہنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی ایک چیز اور دوسری چیز کے فرق کو جانے۔ وہ چیزوں کو صرف ظاہر کے اعتبار سے نہ دیکھے بلکہ ان کی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے انھیں دیکھ سکے۔

"فرق" کو جاننے کا تعلق پوری زندگی سے ہے۔ ہر چیز میں اس حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت دین کے معاملہ میں بھی ہے اور دنیا کے معاملہ میں بھی۔ مثلاً زندگی میں کبھی چپ رہنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی بولنا ضروری بن جاتا ہے۔ کبھی چلنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی ضروری ہوتا ہے کہ آدمی اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے۔ کبھی معاملہ کو گھٹانا مقصود ہوتا ہے اور کبھی ضروری ہوتا ہے کہ اس کو بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس فرق کو جانیں وہی دانش مند ہیں۔ اور جو لوگ اس فرق کو نہ جانیں وہ حیوان کی مانند ہیں، خواہ بظاہر وہ خوش پوش انسان کے روپ میں دکھائی دے رہے ہوں۔

فساد کا حل

جلوس کی مخالفت کرنے سے فساد ہوتا ہے اور جلوس سے اعراض کرنا فساد کو روکتا ہے۔ فساد کو ختم کرنے کی یہی واحد تدبیر ہے۔ ہزاروں مثالیں اس اصول کو صحیح ثابت کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک نصیحت آموز مثال وہ ہے جو مدراس میں پیش آئی۔ مدراس میں ۲ ستمبر ۱۹۹۰ کو ونایک چترتھی (Vinayaka Chaturthi) کا جلوس ہندوؤں نے نکالا۔ یہ جلوس چلتا ہوا ٹریپلی کین (Triplicane) کی سڑک پر پہنچا۔ یہاں مسلمانوں کی ایک مسجد ہے۔ مسلمانوں نے کچھ پرجوش لیڈروں کے زیر اثر جلوس پر روک ٹوک کی۔ انھوں نے کہا کہ تم لوگ اپنی روٹ بدلو۔ ہماری مسجد کے سامنے سے جلوس مت نکالو۔ مگر جلوس والے نہ مانے۔

اس پر تناؤ بڑھا۔ دونوں طرف سے لوگ مشتعل ہو گئے۔ فرقہ وارانہ ٹکراؤ کی نوبت آگئی۔ یہاں تک کہ پولیس نے گولی چلائی۔ دو مسلمان مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کی کئی دکانوں اور مکانوں کو نقصان پہنچا۔ اس کے نتیجہ میں دونوں فرقوں کے درمیان نفرت اور کشیدگی کی جو فضا پیدا ہوئی وہ اس کے علاوہ ہے۔

اس تلخ تجربہ کے بعد مسلمان اگلے سال لیڈروں کی باتوں میں نہیں آئے۔ انھوں نے اس معاملہ میں اعراض کی پالیسی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سال بھی حسب معمول ہندوؤں نے ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ کو اپنا جلوس نکالا۔ یہ جلوس اشتعال انگیز نعرے لگاتا ہوا ٹریپلی کین پہنچا۔ مسجد کے سامنے وہی حالات دوبارہ زیادہ شدت کے ساتھ پیدا ہوئے جو پچھلے سال پیدا ہوئے تھے۔ مگر مسلمانوں نے اپنے فیصلہ کے مطابق مکمل اعراض کا طریقہ اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس مسلمانوں کا بدل بن گئی۔ کسی قسم کا کوئی تشدد نہیں ہوا۔ جلوس سڑک سے گزر گیا اور مسلمانوں کا جان و مال پوری طرح محفوظ رہا۔

اس واقعہ پر مدراس کے اخبار، دی ہندو نے اپنے شمارہ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۱ میں مسلمانوں کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اس موقع پر اشتعال انگیزی کے باوجود زبردست صبر (great restraint) کا مظاہرہ کیا۔ اور اس بنا پر اس بار کوئی فساد نہیں ہوا۔

یہی فساد کے مسئلہ کا آزمودہ حل ہے، اور مسلمانوں کو ہر جگہ اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔

استعداد کا فرق

آٹھویں صدی میں مسلمان صنعتی اور فوجی اعتبار سے مغربی قوموں سے برتر تھے۔ اس لیے وہ مغرب کے اوپر غالب آ گئے۔ موجودہ زمانہ میں مغرب نے تمام فکری اور عملی شعبوں میں برتری حاصل کر لی، اس لیے انھوں نے مسلم ملکوں کے اوپر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ تبدیلی عین فطری قانون کے تحت ہوئی۔ کیوں کہ یہ دنیا مقابلہ کی دنیا ہے۔ یہاں ہمیشہ ایسا ہی ہوگا کہ کمزور مغلوب ہو جائے گا اور جو طاقت ور ہے وہ دوسروں کے اوپر غلبہ حاصل کر لے گا۔

اس تبدیلی کے بعد ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو نئے زمانہ کے اعتبار سے باشعور اور طاقت ور بنایا جائے۔ مگر موجودہ زمانہ کے مسلم لیڈروں سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے تبدیلیٔ قیادت کے اس معاملہ کو فطری قانون کا معاملہ نہیں سمجھا بلکہ اس کو مغربی سازش کا معاملہ سمجھ لیا۔ اسی غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے تمام لکھنے اور بولنے والے سو سال سے بھی زیادہ مدت سے شکایت اور احتجاج میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مغربی قوموں کی سازشوں کا انکشاف کرنے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی لفظی ورزش کا کوئی فائدہ نہیں۔

اصل کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو از سر نو تیاری کی طرف متوجہ کیا جائے۔ انھیں عصری تبدیلیوں سے واقف کرایا جائے۔ ان کو ابھارا جائے کہ وہ جدید تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو مستعد اور مستحکم بنائیں۔ مگر تمام بہترین وقت لفظی احتجاج میں گزر گیا اور تیاری اور استحکام کے میدان میں کوئی بھی حقیقی کام نہ ہو سکا۔

ہمارے لکھنے اور بولنے والے طبقہ کی غلط رہنمائی نے موجودہ زمانہ کے بیشتر مسلمانوں کے ذہن کو بگاڑ دیا ہے۔ وہ معاملات کو صرف شکایت اور سازش کے رخ سے دیکھنا جانتے ہیں۔ وہ فطری حقائق کی روشنی میں معاملات کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اس ذہنی بگاڑ کی بنا پر انھیں کام صرف یہ نظر آتا ہے کہ اپنے مفروضہ دشمن کے خلاف ایسے الفاظ کی دھوم مچاتے رہیں جن کا اتنا فائدہ بھی نہیں کہ وہ دشمن کے کانوں تک پہنچیں اور اس کی رات کی نیند حرام کر دیں۔

فکری قیادت

ہم بحران کے ایک دور سے گزر رہے ہیں۔ اقتصادی بحران، سیاسی بحران، عسکری بحران۔ مگر ان سب سے زیادہ بڑا بحران وہ ہے جس کو فکری بحران (Intellectual Crisis) کہا جاسکتا ہے۔ آج کا انسان کسی ایسی فکری بنیاد سے محروم ہے جس پر وہ کھڑا ہو سکے۔ جس پر وہ اپنی زندگی کی بنیاد رکھے۔

قدیم دور توہم پرستی کا دور تھا۔ اس زمانہ میں انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ مفروضات اور توہمات پر جی سکے۔ آج کا زمانہ تعقل (reason) کا زمانہ ہے۔ آج انسان تعقل پر جینا چاہتا ہے۔ مگر جب انسان ایسا کرنا چاہتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس جینے کے لئے کوئی عقلی بنیاد موجود ہی نہیں۔

دو چیزیں ہیں جو انسان کے لئے فکری بنیاد بن سکتی ہیں ـــــ مذہب یا سائنس۔ یعنی الہامی علم یا سائنٹفک علم۔ مگر جدید انسان نے یہ دونوں ہی بنیادیں کھو دی ہیں۔

قدیم ترین زمانہ سے انسان مذہب کو اپنے لئے فکری بنیاد بنائے ہوئے تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں جب مذہب کو عقل کی روشنی میں دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مذاہب عقل کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ مثال کے طور پر بائبل کو لیجئے۔ بائبل میں ایک طرف توحید کی آیت ہے:

Hear, O Israel: The Lord our God is one Lord.
(Deuteronomy 6:4)

اسی کے ساتھ بائبل کا عقیدہ رکھنے والے لوگ اسی بائبل سے تثلیث کو بھی نکالتے ہیں۔ اور اس کا ماخذ ان کے نزدیک نئے عہد نامہ کی یہ آیت ہے:

Go ye therefore, and teach all nations, baptizing them in the name of the father, and of the Son, and of the Holy Ghost.
(Matthew 28:19)

یہ انسانی عقل کے لئے ایک ناقابل فہم بات ہے۔ کیونکہ خدا اگر ایک ہے تو وہ تین نہیں ہو سکتا۔ اور اگر

خدا تین ہے تو وہ ایک نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح نئے عہد نامہ میں ایک جگہ یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا (Son of God) کہا گیا ہے۔ (مرقس ۱:۱) اور اسی کے ساتھ اس میں یسوع مسیح کو داؤد کا بیٹا (Son of David) لکھا گیا ہے (Matthew 1:1) اس قسم کے تضادات بائبل میں کثرت سے موجود ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے عقیدہ کے مطابق، خدا کے کلام میں انسانی آمیزش سے پیدا ہوا ہے جس کو تحریف کہا جاتا ہے۔ ان تحریفات نے بائبل کو جدید انسان کے لئے ناقابل قبول اور ناقابل فہم بنا دیا ہے۔

اب سائنس کے اعتبار سے لیجئے۔ جدید سائنس کے ظہور کے بعد انسان نے یہ سمجھا کہ وہ سائنس کی فکری بنیاد پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ مگر سائنس کی ترقی انسان کو اطمینان نہ دے سکی۔ اس نے انسان کو صرف ذہنی بحران میں مبتلا کیا۔

سائنس نے جو کائنات دریافت کی ہے اس میں مکمل نظم ہے۔ مکمل ڈیزائن ہے۔ وہ ایک نہایت بامعنی کائنات ہے۔ انسان کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ توجیہہ پسند حیوان ہے۔ چنانچہ وہ کائنات کی توجیہہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر جدید سائنس داں خدا کے بغیر کائنات کی توجیہہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی توجیہہ کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہیں۔ یہی وہ احساس ہے جس کا اظہار شروڈنگر اور دوسرے سائنس دانوں نے ان الفاظ میں کیا کہ فطرت کے بارہ میں سب سے زیادہ ناقابل فہم بات یہ ہے کہ وہ قابل فہم ہے:

....there are aspects which are extremely difficult to understand. A famous remark of Einstein — and other people have said similar things, Schrodinger in particular — that the most comprehensible thing about nature is that it is comprehensible.

جدید انسان کی یہی وہ صورت حال ہے جس کو میں نے فکری بحران کہا ہے۔ آج کا انسان بہت بڑے پیمانہ پر اپنے آپ کو اس فکری بحران میں گھرا ہوا پاتا ہے، وہ اپنے لئے ایک فکری بنیاد حاصل کرنے کے لئے مذاہب کی طرف دیکھتا ہے۔ مگر مذاہب (تحریف کی بنا پر) اس کے عقلی معیار پر پورے اترتے نظر نہیں آتے۔ اس کے بعد وہ سائنس کی طرف دیکھتا ہے مگر سائنس بھی اسے ذہنی اطمینان عطا نہیں کرتی۔

اس فکری بحران کا حل صرف ایک ہے اور وہ غیر محرف مذہب ہے جس کو اسلام کہا جاتا ہے۔

اسلام تحریف سے پاک ہے وہ اپنی اصل الہامی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ اس بنا پر وہی اس پوزیشن میں ہے کہ جدید انسان کو فکری رہنمائی دے سکے۔ اسلام انسان کو ایک طرف وہ سچا مذہب عطا کرتا ہے جو اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اور اس کو خالص توحید کا وہ عقیدہ فراہم کرتا ہے جس سے وہ کائنات کی توجیہہ کر سکے۔ آج انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کو اسلام سے متعارف کیا جائے جو واحد نظام ہے جو انسانیت کو فکری بحران سے نکال سکتا ہے۔

یہاں میں دو واقعہ نقل کروں گا جو علامتی طور پر بتاتا ہے کہ کس طرح اسلام انسانیت کو موجودہ فکری بحران سے نکال کر اس حالت تک پہنچانے والا ہے جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: سن لو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے (۱۳ : ۲۸)

۱. ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیائے انڈیا کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۴ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے اپنے ذہنی سفر کا حال ایک کتاب میں بیان کیا ہے جس کا نام ہے:

Why have I accepted Islam?

ڈاکٹر چٹوپادھیائے لکھتے ہیں کہ جب میں بڑا ہوا تو مجھے اپنے آبائی مذہب سے بے اطمینانی ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ مگر ہر مذہب مجھے غیر تاریخی نظر آیا۔ ان کی کتابیں اور ان کی شخصیات کوئی بھی تاریخ کے معیار پر پوری اترتی نظر نہیں آئیں۔ آخر میں انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو اسلام اور پیغمبر اسلام کی ایک ایک چیز انھیں مکمل طور پر تاریخ کی روشنی میں نظر آئی۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اپنی کتاب میں یہ جملہ لکھا ہے کہ اف، اس پانے میں کیسی راحت ہے کہ آدمی آخر کار ایک سچے تاریخی پیغمبر کو پالے جس پر وہ یقین کر سکے:

Oh! what a relief to find, after all, a truly historical Prophet to believe in.

۲. فرانس کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ڈاکٹر گارودی (Roger Garaudi) کو حقیقت کی تلاش ہوئی۔ انھوں نے مختلف فلسفہ اور مذاہب کا مطالعہ کیا یہاں تک کہ وہ اسلام پر مطمئن ہوئے اور ۱۹۸۲ میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اسلام کیوں قبول کیا تو انھوں نے کہا میں نے اسلام اس لئے قبول کیا تاکہ میں اپنی زندگی کو بامعنی بنا سکوں۔

یہ دونوں واقعہ علامتی طور پر بتاتا ہے کہ آج کے انسانوں کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ آج کے انسان کو سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے جس کو ڈاکٹر بریڈلے نے نیو ریلیجن کہا تھا۔ اور جس کا متعین نام اسلام ہے۔ یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کو موجودہ مسلمان عالم انسانیت کو دے سکتے ہیں۔

یہاں میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا کو اسلام کا پیغام دینا سادہ طور پر محض اعلان کا معاملہ نہیں ہے یہ عظیم صبر کا معاملہ ہے۔ مسلمانوں کو موجودہ زمانہ کی مدعو اقوام سے طرح طرح کی ایذائیں پہنچ رہی ہیں۔ اس کے ردعمل میں ایسا ہوا ہے کہ مسلمان اپنی مدعو اقوام کے خلاف غصہ اور شکایت کی نفسیات سے بھر گئے ہیں۔ اس طرح کی نفسیات کے ساتھ دعوت کا کام نہیں کیا جا سکتا۔ دعوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ردعمل کی نفسیات سے اوپر اٹھنا ہوگا۔ انھیں مدعو اقوام کی ڈالی ہوئی ایذاؤں کو یک طرفہ طور پر برداشت کرنا ہوگا۔ اس قربانی کے بعد ہی وہ موجودہ دنیا میں اسلام کے داعی بن سکتے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن میں پیغمبروں کی زبان سے ان لفظوں میں بتائی گئی ہے کہ ہم ضرور تمہاری ایذاؤں پر صبر کریں گے (۱۴ : ۱۲)

آخر میں میں کہوں گا کہ جدید انسان کا فکری بحران میں مبتلا ہونا اور مسلمانوں کے پاس اجارہ داری کی حد تک اس فکری بحران کا حل موجود ہونا مسلمانوں کو یہ موقع دے رہا ہے کہ وہ آج کی دنیا کے فکری قائد بن سکیں۔ مگر یہ عالمی قیادت انھیں صرف صبر کی زمین پر ہی مل سکتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا قرآن میں ان الفاظ میں اعلان کیا گیا:

ہم ان کو آفاق میں اور خود ان کے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے (۴۱ / ۵۳)

نئی کتابیں

الربانیۃ حیات بشری کا ربانی طریقہ ___ صفحات ۲۲۴

کاروان ملت ___ صفحات ۲۴۰

شاہ کلید

ایک عربی پرچہ میں ایک مضمون نظر سے گزرا۔ اس کا عنوان تھا: المفتاح العظیم (عظیم کنجی) اس میں بتایا گیا تھا کہ دعوت اسلام کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ ماضی میں اسلام نے دعوت کے ذریعہ عالمی فتح حاصل کی تھی، آج بھی ہم دعوت کے ذریعہ دوبارہ اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے اکثر لکھنے اور بولنے والے اسی طرح آجکل دعوت کی باتیں کر رہے ہیں۔ مگر عین اسی کے ساتھ یہ تمام لوگ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم اقوام کی سازشوں اور دشمنیوں کا بھی اعلان کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف وہ مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ داعی بنو۔ اسی کے ساتھ وہ مسلمانوں سے مزید شدت کے ساتھ یہ بھی کہتے رہتے ہیں کہ دنیا کی قومیں تمہارے لئے ظالم بھیڑیا بن گئی ہیں، اس لئے ان سے لڑکر ان کا خاتمہ کرو۔

یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کہی جاتی ہیں، مگر وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک اگر دعوت ہے تو دوسری عداوت۔ غور کیجئے کہ وہ لوگ کون ہیں جن کو ظالم اور سازشی بتایا جاتا ہے۔ یہ وہی غیر مسلم قومیں ہیں جن کے اوپر ہمیں دعوت کا کام کرنا ہے۔ وہ ہمارے لئے مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا مسلمان داعی ہیں اور ان کی پڑوسی غیر مسلم قومیں مدعو۔ اب اگر داعی کے دل میں یہ بٹھایا جائے کہ مدعو تمہارے لئے ظالم بھیڑیا ہے تو کیا وہ سچے داعیانہ جذبہ کے ساتھ اپنے مدعو کے اوپر دعوت کا عمل جاری کر سکتا ہے۔ کیا وہ انی لکم ناصح کی نفسیات کے ساتھ اس سے معاملہ کر سکتا ہے۔

دعوت سر تا سر محبت کا ایک عمل ہے۔ داعی کو آخر حد تک اپنے مدعو کی ہدایت کا حریص بننا پڑتا ہے، اس کے بعد ہی دعوت کے عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ مدعو اگر زیادتی کرے تب بھی داعی اس کی زیادتیوں کو بھلا کر یک طرفہ طور پر اس کو اپنی دلچسپی کا موضوع بناتا ہے۔ وہ اپنے دل کو مدعو کی شکایات سے اتنا زیادہ خالی کرتا ہے کہ اس کے دل سے مدعو کے حق میں دعائیں نکلنے لگیں۔

لوگ دعوت کی باتیں کرتے ہیں مگر وہ اس کے آداب نہیں جانتے ۔ لوگ داعی کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، بغیر اس کے کہ وہ اس کے تقاضے کو پورا کریں ۔ لوگ شہادت علی الناس کا کریڈٹ لینا چاہتے ہیں، بغیر اس کے کہ انھوں نے اس کی قیمت ادا کی ہو ۔

یہ صرف ان ملکوں کا معاملہ نہیں جہاں مسلمان کمزور اقلیت ہیں ۔ ٹھیک یہی نفسیات ان ملکوں کے مسلمانوں کی بھی ہے جہاں انھیں اکثریت حاصل ہے ۔ یا جہاں پوری کی پوری آبادی مسلمان ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ اقلیتی علاقہ کے مسلمانوں کو مقامی غیر مسلم طاقت سے شکایت ہے ۔ اور اکثریتی علاقہ کے مسلمانوں کو عالمی غیر مسلم طاقتوں سے ۔ مثلاً یہودی ، عیسائی ، اشتراکی مستعمرین ، مستشرقین وغیرہ ۔

اسلام میں دعوت کی مصلحت ہر دوسری مصلحت پر مقدم ہے ۔ دعوت کے مفاد کی خاطر ہر دوسری چیز کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے ، خواہ وہ بذات خود کتنی ہی زیادہ سنگین اور کتنی زیادہ اہم کیوں نہ ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں اتنی واضح رہنمائی کرتی ہے کہ طالب حق کے لئے ادنیٰ شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ۔

ہجرت سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف گئے ۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ حد درجہ توہین و تذلیل کا سلوک کیا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے ۔ حتی کہ آپ نے خود حضرت عائشہ سے فرمایا کہ طائف کے دن سے زیادہ سخت دن میرے اوپر کوئی اور نہیں گزرا ۔ روایات بتاتی ہیں کہ جب آپ غم اور تکلیف کے ساتھ طائف سے واپس ہوئے تو راستہ میں اللہ کے حکم سے ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) آپ کے پاس آیا ۔ اس نے کہا کہ اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سنیں ۔ میں ملک الجبال ہوں ۔ اگر آپ کہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کے ذریعہ اس بستی کو کچل ڈالوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی اگلی نسلوں سے ایسا شخص پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے (ارجو ان یُخرج اللہ من اصلابھم مَن یعبد اللہ لا یشرک بہ شیئاً ، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ، المجلد الثانی ، صفحہ ۱۵۳)

دعوت بلاشبہہ مفتاح عظیم ہے ۔ مگر اس مفتاح عظیم کو استعمال کرنے کے لئے قلب عظیم درکار ہے ۔ اس کے لئے وہ کردار مطلوب ہے جس کو قرآن میں بلند اخلاق (خُلقِ عظیم) کہا گیا ہے ۔ قلب عظیم کے بغیر کوئی آدمی نہ تو وقت کے امکانات کو جان سکتا ہے اور نہ اس کے بغیر وہ اس قابل ہو سکتا کہ وہ ان امکانات کو استعمال کر سکے ۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لئے دعوت کو ابدی طور پر مفتاح عظیم بنا دیا ہے۔ اسلامی تاریخ کے دور اول میں مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوا، دعوت کے ذریعہ حاصل ہوا۔ آج بھی انھیں جو کچھ ملے گا، دعوت کے ذریعہ ملے گا۔

مزید یہ کہ یہ مفتاح عظیم موجودہ زمانہ میں مفتاح اعظم بن چکی ہے۔ رسول اور اصحاب رسول کے ذریعہ عالمی تاریخ میں جو انقلاب آیا اور جس کے اثرات آج تک جاری ہیں، اس نے دعوت کے عمل کو ہمیشہ سے زیادہ آسان اور ہمیشہ سے زیادہ طاقت ور بنا دیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں صرف یہ نہیں ہوا ہے کہ جدید وسائل اعلام نے دعوت کی اشاعت و توسیع کے نئے دروازے کھول دئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ علوم کے ارتقاء اور سائنسی تحقیقات نے اسلام کی حقانیت کو مزید ثابت شدہ بنا دیا ہے۔ آج اسلام کی صداقت خالص عقلی سطح پر ایک مسلمہ صداقت بن چکی ہے۔ ہمارے اسلاف نے جو کام "عسر" کے حالات میں کیا، اب وقت آگیا ہے کہ اس کام کو "یسر" کے حالات میں انجام دیا جائے۔

دعوت اہل اسلام کے لئے شاہ کلید ہے، مگر وہ شاہ کلید اس وقت ہے جب کہ اس کو اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے۔

روزہ نمبر

الرسالہ مارچ ۱۹۹۲ کا شمارہ "روزہ نمبر" کے طور پر شائع ہوگا۔ اصحاب ایجنسی اپنی مزید تعداد سے فوراً مطلع فرمائیں۔

سرکلیشن مینجر

نئے خون کی ضرورت

سید جمال الدین افغانی (۱۸۹۷ - ۱۸۳۸) مسلمانوں کی اصلاح سے مایوس تھے۔ امیر شکیب ارسلان نے اس بارہ میں ان کے جو خیالات نقل کئے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے:

قد فسدت اخلاق المسلمین الی انه لا امل بان یصحوا الا بان ینشأ و اخلقا جدیداً وجیلا مستأنفاً فحبذ الو لم یبق منهم الا کل من هو دون الثانیة عشرة من العمر، فعند ذالك یتلقون تربیة جدیدة تسیر بهم فی طریق السلامة (حاضر العالم الاسلامی (۱۹۳۳) صفحہ ۲۹۰)

مسلمانوں کے اخلاق اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ امید نہیں کہ ان کی اصلاح ہو۔ الا یہ کہ ان میں نئی نسل پیدا ہو۔ کیا ہی اچھا ہو کہ بارہ سال کی عمر کے سوا ان کے سارے لوگ ختم ہو جائیں۔ پھر وہ نئی تربیت قبول کریں گے جو انھیں سلامتی کے طریقہ تک پہنچائے۔

۲۳ دسمبر ۱۹۷۳ کو دہلی (جمعیۃ بلڈنگ) میں میری ملاقات مولانا سید منت اللہ رحمانی (امیر شریعت بہار) سے ہوئی۔ ان سے میں نے بعض مصلحین کے مذکورہ بالا تاثرات کا ذکر کیا۔ اس کے جواب میں انھوں نے ایک روایت بیان کی۔ یہ روایت میں نے اسی وقت ایک کاغذ پر خود ان کے اپنے قلم سے لکھوالی تھی۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ کاغذ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ اس میں مولانا رحمانی نے لکھا تھا:

"مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب (۱۹۴۰ - ۱۸۸۳) نے مجھ سے کہا کہ ایک دفعہ مولانا محمد علی مونگیری رح (۱۹۲۷) کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ جہاں جاتا ہوں اخلاص کے ساتھ جاتا ہوں، لیکن جب تک رہتا ہوں، لوگ دین کی طرف مائل رہتے ہیں، اور وہاں سے ہٹنے کے بعد لوگ کبھی دین کو چھوڑ دیتے ہیں ـــــ اخلاص کا تو اثر ہونا چاہئے۔ حضرت مونگیری نے جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ ہر عصر اور زمانہ میں اپنی کسی نہ کسی صفت کے ساتھ جلوہ گر رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر القرون میں اپنی صفت "الہادی" کے ساتھ جلوہ گر تھا، اور اس عہد میں اپنی صفت "المضل" کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس لئے نہ ہدایت دیرپا ہوتی ہے اور نہ اخلاص موثر! جس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا منصب ہدایت تھا، وہ گمراہ ہو رہے ہیں۔"

ڈاکٹر اقبال (۱۹۳۸ - ۱۸۷۷) کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو صداقت اور عدالت اور شجاعت کا سبق پڑھائیں اور انھیں دوبارہ امامت دنیا کے لئے تیار کریں۔ انھوں نے مسلمانوں کو جگانے کے لئے اپنے اشعار کو رجز کے طور پر استعمال کیا۔ وہ اپنی ان کوششوں کے نتائج کے بارہ میں بہت پرامید تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اقبال نے اپنی پوری زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر دی۔ مگر ان کی "بانگ درا" اور "ضرب کلیم" کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی استعداد کے بارہ میں وہ مایوس ہو گئے۔ انھوں نے آخری طور پر اپنا تجربہ ان الفاظ میں بیان کیا:

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

یہی حال موجودہ زمانہ کے اکثر مصلحین کا ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے مسلمانوں کو اپنی کوششوں کا مرکز بنایا۔ مگر ساری کوشش صرف کرنے کے بعد انھیں یہ تلخ احساس ہوا کہ مسلمانوں میں کوئی گہری اصلاح قبول کرنے کا مادہ ہی نہیں ہے۔

موجودہ مسلمانوں کی استعداد کے بارہ میں مذکورہ بالا اصحاب کا تجربہ بجائے خود صحیح ہے۔ مگر اس کی توجیہہ کے بارہ میں ان کا بیان صحیح نہیں۔ یہ درست ہے کہ گنتی اور مقدار دونوں اعتبار سے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو اٹھانے کی بے حساب کوششیں کی گئیں مگر ان کا کوئی بھی قابل ذکر نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ مگر اس کی وجہ وہ نہیں جو اوپر نقل کئے ہوئے بیانات میں ملتی ہے۔

پانی اگر کسی گڑھے میں ٹھہر جائے تو کچھ دنوں کے بعد اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر جو پانی چشمہ یا دریا کی صورت میں رواں ہو، وہ ہمیشہ تازہ اور فرحت بخش بنا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گڑھے کے پانی میں پرانے پانی کے ساتھ نیا پانی شامل ہونا بند ہو جاتا ہے۔ جب کہ چشمہ یا دریا میں مسلسل پرانے پانی میں نیا پانی آکر شامل ہوتا رہتا ہے۔

اسی مثال سے موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے معاملہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان ایک جامد نسلی گروہ بن کر ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کثافت پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ان کے اندر نیا خون (New blood) شامل کیا جائے۔ ان کے پرانے پانی

میں نیا پانی ملاکر انھیں رواں دریا بنا دیا جائے۔ اس کے بعد ان کی کثافت اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔

دعوت کا عمل اسی مقصد کو پورا کرتا ہے۔ دعوت کے ذریعہ دوسری قوموں سے نئے اور جاندار افراد اسلام قبول کرکے مسلمانوں کی صف میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح بار بار نئے خون کے ملنے سے مسلمانوں میں زندگی باقی رہتی ہے۔ مگر صدیوں سے مسلمانوں میں دعوتی عمل بند ہے۔ ان کے پرانے خون میں نیا خون آکر شامل نہیں ہو رہا ہے۔ یہی اصل وجہ ہے اس صورت حال کی جس کا ذکر اوپر چند اصحاب کے حوالے سے کیا گیا۔

دعوت الی اللہ کا کام مسلمانوں کے لئے بیک وقت دو فائدوں کا حامل ہے۔ ایک طرف وہ امت محمدی کی حیثیت سے اپنی عمومی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ یہی عمل اس بات کا ضامن بھی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ایک زندہ اور طاقت ور قوم بنے رہیں۔

الرسالہ کیسٹ — ارکانِ اسلام سیٹ

اس وقت ارکانِ اسلام کے نام سے کیسٹوں کا ایک سیٹ زیر تیاری ہے۔ جس کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱- حقیقتِ ایمان

۲- حقیقتِ نماز

۳- حقیقتِ روزہ

۴- حقیقتِ زکاۃ

۵- حقیقتِ حج

ایمان کے موضوع پر ابتدا ہی میں ایک کیسٹ تیار کیا جا چکا ہے۔ اب بقیہ چار موضوعات پر علاحدہ علاحدہ کیسٹ بنائے جا رہے ہیں جن میں عام فہم انداز میں اسلامی عباداتِ کی حقیقت اور ان کے تربیتی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ پورا سیٹ جلد ہی تیار ہو جائے گا۔

ہدیہ فی کیسٹ ۲۵ روپیہ □ ہدیہ فی سیٹ ۱۱۰ روپیہ

AL-RISALA CASSETTE C-29 Nizamuddin West New Delhi 110 013

فخر، تواضع

میری ملاقات ایک صاحب سے ہوئی۔ تعلیمی اور معاشی اعتبار سے وہ تقریباً صفر تھے۔ البتہ اس احساس کو وہ اپنا سب سے بڑا سرمایہ بنائے ہوئے تھے کہ میرے دادا نواب صاحب کے قریبی مصاحبوں میں سے تھے۔ وہ شاندار حویلی میں رہتے تھے اور انھیں نواب صاحب کی طرف سے ایک باعزت لقب حاصل تھا۔ وہ دیر تک پُرفخر انداز میں اپنے دادا صاحب کی بڑائی کا ذکر کرتے رہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ان کی فخر پسندی اور ان کے خاندانی ناز نے انھیں برباد کر رکھا ہے۔ اس نفسیات کی بنا پر وہ نہ تعلیم حاصل کر سکے اور نہ کوئی دوسرا معاشی کام کرنے میں کامیاب ہوئے۔ میں نے ہمدردی کے تحت ان سے کہا کہ وہ فخر و ناز کو چھوڑیں اور تواضع اور حقیقت پسندی کی روش اختیار کریں۔ میں نے ان کے سامنے دلیلیں دیں۔ واقعات سنائے۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ میری بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا میں کسی ایسی اجنبی زبان میں بول رہا ہوں جس کو وہ جانتے ہی نہیں۔

یہی حال موجودہ زمانہ میں زیادہ بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کا ہوا ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان مذہبِ فخر پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبِ تواضع کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

دورِ اوّل کے مومنین کے لیے اسلام تواضع کا دین تھا۔ عظمتِ خداوندی کے شعوری احساس نے ان کے مزاج اور کردار میں تواضع کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قانون پورا ہوا کہ من تواضع رفعہ اللہ (جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے) وہ لوگ اللہ کی مدد سے اوپر اٹھے اور رفعتوں اور بلندیوں کی شاندار تاریخ بنائی۔

موجودہ زمانہ کے مسلمان دور اول کے مسلمانوں کے وارث ہیں۔ مگر وہ ان کی تواضع کے وارث نہیں ہیں، ان کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف یہ یاد ہے کہ ہمارے اسلاف ماضی میں فلاں اور فلاں بلندیوں تک پہونچے تھے۔ وہ تواضع اور نتائجِ تواضع دونوں سے محروم ہو کر صرف خوش کن الفاظ کے اوپر کھڑے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کے ایمانی احساس کو جگا کر ان کے اندر تواضع والا دین پیدا کیا جائے۔ تواضع کی روش آدمی کو اوپر اٹھاتی ہے، اور فخر و ناز کی روش اس کو پست کر کے پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

مارکسزم کا خاتمہ

۲۶ دسمبر ۱۹۹۱ کو تمام دنیا کے اخباروں کے پہلے صفحہ کی سرخی یہ تھی : میخائیل گورباچیف نے استعفا دے دیا (Mikhail Gorbachev resigns) یہ استعفا محض ایک واقعہ کا رسمی اعلان ہے۔ کیوں کہ اس تاریخ سے بہت پہلے سوویت یونین کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور سوویت یونین کے آخری صدر کا بھی۔

راقم الحروف نے ۳۵ سال پہلے مارکسی اشتراکیت پر ایک کتاب لکھی تھی۔ میں نے اس کتاب کا نام تجویز کیا تھا : مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے۔ پھر سوویت یونین کے سابق صدر نکیتا خروشچیف نے ۱۹۵۶ میں اسٹالن کے دور کے مظالم کا "جہنمی انکشاف" کیا تو یہ گویا اشتراکی ایمپائر کے کھوکھلے پن کا داخلی اعتراف تھا۔ اس کے بعد ۱۹۸۹ میں برلن وال کا ٹوٹنا اشتراکی ایمپائر کے ٹوٹنے کا عملی آغاز بن گیا۔ دسمبر ۱۹۹۱ میں الماآتا کانفرنس میں اس شکست کی تکمیل ہوگئی جب کہ اس کی بقیہ گیارہ ریاستیں ٹوٹ کر الگ ہوگئیں۔ اور نقشہ پر اشتراکی ایمپائر کے بجائے صرف سابق روس باقی رہ گیا۔

اشتراکی ایمپائر کے ٹوٹنے میں بہت سے مختلف قسم کے سبق ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں دو خاص سبق پائے جاتے ہیں۔ یہاں ان کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا سبق یہ ہے کہ اس واقعہ نے آخری طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ خدا اور مذہب کا عقیدہ مکمل طور پر ایک فطری عقیدہ ہے نہ کہ محض سماجی روایات کی پیداوار، جیسا کہ اشتراکی فلسفہ میں دعوی کیا گیا تھا۔

اشتراکی نظریہ مکمل معنوں میں ایک لادینی نظریہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ خدا اور مذہب کا عقیدہ محض ایک فرضی عقیدہ ہے جس کو استحصال پسند طبقہ نے اپنے مفاد کے لیے گھڑ لیا ہے۔ اس کا حقیقتِ واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اشتراکی نظام کی موت نے اس افسانہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔

روس میں ۱۹۱۷ میں اشتراکی انقلاب آیا۔ اس کے بعد پوری اشتراکی مملکت میں سرکاری طور پر مذہب کا خاتمہ کر دیا گیا۔ عبادت خانے بند کر دیے گئے۔ مذہبی لٹریچر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ کسی بھی قسم کی مذہبی سرگرمی خلافِ قانون قرار پا گئی۔ اخبار، ریڈیو، ٹیلی وژن، سب خلاف مذہب پروپگنڈے کے لیے وقف کر دیے گئے۔ تعلیمی نظام شروع سے آخر تک مذہب کی نفی کی بنیاد پر قائم کر دیا گیا۔ وغیرہ۔

۷۵ سال تک اسی نہج پر پوری اشتراکی سوسائٹی کا نظام چلایا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تمام لوگ مرکر ختم ہو گئے جو قدیم مذہبی سماج میں پیدا ہوئے تھے۔ اب اشتراکی سماج تقریباً سب کا سب ان افراد پر مشتمل تھا جن کی پرورش نئے غیر مذہبی سماج میں ہوئی تھی۔

مگر تجربہ حیرت انگیز طور پر الٹا برآمد ہوا۔ اشتراکی سماج کے تقریباً ۹۹ فی صد لوگ اشتراکیت کے مخالف ہو گئے۔ دوسری طرف مذہب کا یہ حال ہوا کہ وہ ہر قسم کے مخالفانہ حالات کے باوجود بدستور لوگوں کے دلوں میں باقی رہا۔ چنانچہ آج جب اشتراکی سماج میں آزادی آئی ہے تو تمام مسجدیں اور تمام چرچ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف اشتراکی لیڈروں کے مجسمے گرائے جا رہے ہیں اور دوسری طرف عبادت خانے ازسرِ نو تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ اشتراکی لٹریچر جلایا جا رہا ہے اور قرآن اور بائبل کے نسخے کروروں کی تعداد میں لوگوں کے گھروں میں پہنچ رہے ہیں۔

خدا کا عقیدہ فطرتِ انسانی کا لازمی حصہ ہے اس لیے وہ باقی رہا۔ اشتراکیت ایک گھڑا ہوا بے بنیاد فلسفہ تھا اس لیے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

دوسرا سبق

خلیج کی جنگ کے بعد انہدام کا جو واقعہ اشتراکی ایمپائر کے ساتھ پیش آیا ہے، وہی واقعہ دوسری عالمی جنگ کے بعد برٹش ایمپائر کے ساتھ پیش آچکا ہے۔ مگر دونوں میں ایک فرق ہے۔ برٹش ایمپائر کا خاتمہ بنیادی طور پر خارجی خطرہ کی بنیاد پر ہوا تھا۔ برطانیہ کے زیر قبضہ علاقوں میں ہر جگہ نیشنلزم کی تحریکیں پھیل گئیں۔ ان تحریکوں نے ہر ملک میں قومی حکومت کا رجحان پیدا کیا۔ اس کے نتیجہ میں نوآبادیاتی حکومت کی

جڑیں اکھڑ گئیں۔ برطانیہ کو اپنے زیر قبضہ علاقوں کو چھوڑ دینا پڑا۔

اس کے برعکس اشتراکی ایمپائر کے خاتمہ کا بنیادی سبب داخلی ہے۔ اجتماعی ملکیت کے غیر فطری نظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے علاقہ میں اشیاء صرف کی بھیانک قلت ہوگئی۔ ٹائم میگزین (۳۰ دسمبر ۱۹۹۱) نے صفحہ ۱۲ پر ماسکو کے ایک بڑے اسٹور کی تصویر چھاپی ہے۔ پورا اسٹور خالی پڑا ہوا ہے۔ اس کے ایک کنارے صرف دو قمیصیں ہینگر پر لٹکی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ میں نے جولائی ۱۹۹۰ میں سوویت یونین کا سفر کیا تھا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ سڑکوں پر لمبی لمبی قطاریں صرف روٹی حاصل کرنے کے لیے لگی ہوئی ہیں۔ اس میں بھی صرف آگے کے کچھ لوگوں کو روٹی ملتی تھی اور اس کے بعد یہ کہہ کر کھڑکی بند کر دی جاتی تھی کہ روٹی ختم ہوگئی۔ اس کے نتیجہ میں اشتراکی روس میں نئے قسم کے فسادات شروع ہوگئے جن کو غذائی فساد (food riots) کہا جاتا ہے۔ اشتراکی ایمپائر کا انہدام بنیادی طور پر اس لیے پیش آیا کہ سامان حیات سے محرومی نے عوام کو اس کا مخالف بنا دیا تھا۔

برٹش ایمپائر اور اشتراکی ایمپائر کے اس تقابل سے ایک نہایت اہم سبق ملتا ہے۔ وہ یہ کہ خارجی خطرہ کسی قوم کے وجود کے لیے جتنا سنگین ہے، اتنا ہی داخلی خطرہ بھی اس کے وجود کے لیے سنگین ہے۔ بلکہ داخلی خطرہ زیادہ سخت ہے۔ کیوں کہ خارجی خطرہ کسی مملکت کو صرف جزئی طور پر نقصان پہنچاتا ہے، جب کہ داخلی خطرہ مکمل طور پر اس کو منہدم کر دیتا ہے۔

خلاصہ

مارکسی اشتراکیت کے انہدام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دشمن مذہب یا دشمن اسلام، خواہ وہ کتنا ہی زیادہ طاقت ور ہو، وہ دین حق کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دین حق کی جڑیں فطرت کے نظام میں اتنی گہری ہیں کہ کسی انسانی طاقت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم کو اپنی ساری توجہ ملت کے داخلی استحکام پر صرف کرنا چاہیے۔ داخلی استحکام کی موجودگی میں ہر خارجی طوفان بے اثر رہتا ہے۔ اور جب داخلی استحکام باقی نہ رہے تو اس کے بعد کوئی بھی چیز ملت کو زوال کے انجام سے نہیں بچا سکتی۔

امید کا پیغام

قرآن میں بعض انسانی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس طرح کی ناموافق صورت پیش آئے تو صبر اور توکل کا انداز اختیار کرو۔ اللہ تمہارا نگہبان ہے، وہ تمہارے لیے مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا (سیجعل اللہ بعد عُسر یُسرا) الطلاق،

جس طرح ہماری زمین مسلسل گردش کر رہی ہے، اسی طرح انسان کے حالات بھی برابر بدلتے رہتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی بھی حال میں مایوس نہ ہو، وہ ہمیشہ ناامیدی پر امید کے پہلو کو غالب رکھے۔ حال کی بنیاد پر وہ کبھی مستقبل کے بارہ میں اپنے یقین کو نہ کھوئے۔

رات کے آنے کو اگر "آج" کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ اندھیرے کا آنا معلوم ہوگا مگر "کل" کے لحاظ سے دیکھئے تو وہ روشن صبح کے آنے کی تمہید بن جاتا ہے۔ خزاں کا موسم بظاہر پت جھڑ کا موسم دکھائی دیتا ہے مگر مستقبل کی نظر سے دیکھئے تو وہ بہار کے سرسبز و شاداب موسم کی خبر دینے لگے گا۔

یہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔ یہ قانون عام مادی دنیا کے لیے بھی ہے، اور اسی طرح انسانوں کی زندہ دنیا کے لیے بھی۔ اس میں کبھی کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں۔

جب دنیا کی تخلیق اس ڈھنگ پر ہوئی ہے تو کوئی انسان اس دنیا میں مایوس کیوں ہو۔ جب یہاں ہر تاریکی آخر کار روشنی بننے والی ہے تو وقتی حالات سے گھبرانے کی کیا ضرورت۔

آدمی اگر یہاں کسی مشکل میں پھنس جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ صبر اور حکمت کے ساتھ اس سے نکلنے کی جدوجہد کرے۔ اگر بالفرض اس کے پاس جدوجہد کرنے کی طاقت نہ ہو تب بھی اس کو چاہیے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے آنے والے کل کا انتظار کرے۔

اس دنیا میں جس طرح محنت ایک عمل ہے، اسی طرح انتظار بھی ایک عمل ہے۔ جو شخص عمل کا ثبوت نہ دے سکے، اس کو چاہیے کہ وہ انتظار کا ثبوت دے۔ اگر اس نے سچا انتظار کیا تو عین ممکن ہے کہ وہ انتظار کے ذریعہ بھی اسی چیز کو پالے جس کو دوسرے لوگ محنت کے راستہ سے تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ قدرت کا نظام خود اپنے آخری فیصلہ کو ظہور میں لانے کے لیے سرگرم ہے، بشرطیکہ آدمی مقرر وقت تک اس کا انتظار کر سکے۔

عربی کا ایک مقولہ ہے : رُبَّ ضارَّۃٍ نافِعَۃٌ (بہت سی نقصان والی چیزیں نفع دینے والی ہوتی ہیں) یہ قول نہایت بامعنی ہے۔ وہ زندگی کی ایک اہم حقیقت کو بتاتا ہے۔ یہ کہ اس دنیا میں کوئی نقصان صرف نقصان نہیں۔ یہاں ہر عسر کے ساتھ یسر ہے۔ یہاں ہر نقصان کے ساتھ ایک فائدہ کا پہلو لگا ہوا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس کو نقصان پیش آئے تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ نہ جائے، بلکہ اپنے ذہن کو سوچ کے رخ پر لگائے۔ عین ممکن ہے کہ وہ ایسا امکان دریافت کر لے جو نہ صرف اس کے نقصان کی تلافی کرے بلکہ اس کو مزید اضافہ کے ساتھ کامیاب بنا دے۔

ایک شخص دیہات میں ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوا۔ ۱۹۲۵ میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا جب کہ اس کی عمر صرف ۶ سال تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد خاندان والوں نے جائداد پر قبضہ کر لیا۔ اس کو ایک معمولی مکان کے سوا کوئی اور چیز نہیں ملی۔

مجبور ہو کر دس سال کی عمر میں وہ کمانے کے لیے نکلا۔ وہ دیہات سے نکل کر شہر میں چلا گیا۔ عرصہ تک وہ محنت مزدوری کرتا رہا۔ حالات نے اس کو دستکاری کے ایک کام میں لگا دیا۔ اپنی محنت سے وہ ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک کارخانہ کھول لیا۔ اس کی ترقی جاری رہی۔ ۷۰ سال کی عمر میں جب وہ مرا تو وہ ایک بڑا صنعت کار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے کروروں روپیہ کی جائداد چھوڑی۔

اس آدمی کے ساتھ اگر عسر کی حالت پیش نہ آتی۔ دیہات میں اس کے تمام کھیت اس کو مل جاتے تو وہ اسی میں لگ جاتا۔ وہ ایک کسان کی حیثیت سے جیتا اور کسان کی حیثیت سے مرتا۔ مگر عسر اور نقصان نے اس کو اوپر اٹھایا۔ اس کے تلخ تجربات نے اس کو زرعی دور سے نکال کر صنعتی دور میں پہنچا دیا۔

زندگی کے امکانات کی کوئی حد نہیں۔ ہر بار جب ایک امکان ختم ہوتا ہے تو وہیں زیادہ بڑا امکان آدمی کے لیے موجود رہتا ہے۔ پھر کوئی شخص مایوس کیوں ہو۔ پھر آدمی نقصان پر فریاد و احتجاج کیوں کرے۔ کیوں نہ وہ نئے امکان کو استعمال کرے جو اس کی شام کو دوبارہ ایک روشن صبح میں تبدیل کر دینے والا ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ جب ایک امکان کا سرا اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو وہ کھوئی ہوئی چیز کا ماتم کرنے میں وقت ضائع نہ کرے۔ بلکہ نئے امکان کو دریافت کر کے اس کا استعمال شروع کر دے۔ عین ممکن ہے کہ اس تدبیر کے ذریعہ وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑی کامیابی اپنے لیے حاصل کر لے۔

۵ دسمبر کی صبح کو میں نماز فجر کے بعد مسجد سے رہائش گاہ کی طرف آرہا تھا۔ ایک کراسنگ پر انھوں نے اپنی گاڑی روک دی۔ حالاں کہ سامنے ہری بتی جل رہی تھی۔ دوسری طرف سامنے کی سڑک سے ایک اور بڑی گاڑی آئی، وہ رکے بغیر گزر گئی۔ حالاں کہ وہاں لال بتی جل رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دوسری گاڑی ایمبولنس کی گاڑی تھی۔ وہ خاص الارم بجاتے ہوئے جارہی تھی۔ ایمبولنس یا فائر بریگیڈ کی گاڑی جب کسی راستہ سے گزرے تو ہمیشہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ وہ مسلسل اپنی منزل کی طرف چلتی رہتی ہے خواہ وہاں لال بتی ہو۔ اور دوسری گاڑیاں کھڑی ہو جاتی ہیں خواہ ان کے سامنے ہری بتی جل رہی ہو۔

جب کہیں امر جنسی پیش آجائے تو تمام سرگرمیوں کو روک کر ایمرجنسی کی طرف دوڑنا پڑتا ہے۔ یہ حیات دنیا کا قانون ہے۔ یہی معاملہ مزید شدت کے ساتھ آخرت کے لئے ہے۔ جب لوگ ہدایت سے دور ہو جائیں اور حیاتِ آخرت کے اعتبار سے لوگوں کے لئے نقصان کا اندیشہ ہو تو تمام دوسری سرگرمیوں کو روک کر لوگوں کو ہدایت کا پیغام پہنچایا جائے گا۔ اور یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک لوگ ہدایت کے راستہ پر نہ آجائیں۔

لاس اینجلیز کی کانفرنس ۲۴ — ۲۵ نومبر میں امام عزت اللہ المجددی سے ملاقات ہوئی۔ وہ افغانی لیڈر پروفیسر صبغت اللہ المجددی کے بھائی ہیں۔ نہایت ذہین آدمی ہیں اور کئی زبانیں جانتے ہیں۔ وہ جہاد افغانستان میں زخمی ہو گئے تھے۔ علاج کے بعد اب اچھے ہیں۔ افغانی قوم ایک نہایت جاندار قوم ہیں۔ اس کے اندر غیر معمولی صلاحیت ہے۔ مگر سیکڑوں سال سے یہ صلاحیت جنگ و قتال کی راہ میں لگی ہوئی ہے۔ اس سے افغانی قوم کی بہادری کی مثالیں تو ضرور قائم ہوئی ہیں۔ مگر اس کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ افغانستان اپنے سارے امکانات کے باوجود کسی بھی اعتبار سے ترقی یافتہ ملک نہ بن سکا۔

پچھلی صدی میں افغانیوں نے انگریزوں کا سیاسی غلبہ اپنے ملک میں ہونے نہیں دیا۔ موجودہ صدی میں انھوں نے روسیوں سے لڑ کر انھیں ملک سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے میں اس کو کوئی بڑا کارنامہ نہیں سمجھتا۔ اسلامی اعتبار سے ان کے لئے زیادہ

بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ دنیا سے شرک اور الحاد کا خاتمہ کرتے۔ مگر افغانی لیڈروں نے افغانی قوم کو اس راہ پر کبھی نہیں لگایا۔

کانفرنس میں بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر عاقل خاں راجپوت تھے۔ وہ امریکہ کے محکمہ میزائل (Missile Weapons Systems) میں ایک بڑے عہدہ پر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہ الور کے ایک گاؤں مونڈ اور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ کے ہنگامہ میں وہ پاکستان چلے گئے۔ اس کے بعد امریکہ آکر سائنسی تعلیم حاصل کی اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ عہدہ پر پہنچے۔

۱۹۴۷ میں بے بسی کے عالم میں کوئی شخص ان کو الور سے بھاگتے ہوئے دیکھتا تو وہ ان کے معاملہ کو صرف ظالم اور مظلوم کا ایک معاملہ سمجھتا۔ مگر ۱۹۴۷ کا مظلوم نوجوان ۱۹۹۰ کا ہیرو انسان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشکل حالات آدمی کے لئے زحمت کے بھیس میں رحمت (blessing in disguise) کے ہم معنی ہیں۔ مشکل حالات آدمی کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو جگاتے ہیں۔ اور کسی آدمی کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اس کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں جاگ اٹھی ہوں۔

صغیر اسلم صاحب کے یہاں ۲۲ نومبر کو ایک سفید فام امریکی نوجوان لینی (Lenney) بطور کاریگر کام کرنے کے لئے آیا۔ وہ خوش پوش اور صحت مند تھا۔ کار پر بیٹھ کر آیا تھا۔ میرا ابتدائی تاثر یہ تھا کہ یہاں کے مزدور اور کاریگر بہت اچھی حالت میں ہیں۔ اگلے دن ۲۳ دسمبر کو امریکی عیسائیوں کا خصوصی تہوار تھینکس گونگ (Thanksgiving) تھا۔ اس لئے اس نے ۲۳ نومبر کو چھٹی کر لی۔ دوپہر کو صغیر اسلم صاحب کے پاس اس کا ٹیلیفون آیا کہ میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اس لئے کل کی مزدوری مجھے پیشگی دے دو۔ اس کے بعد وہ اپنی گاڑی پر آیا اور ۱۰ ڈالر پیشگی لے کر چلا گیا۔

یہ چھوٹا سا واقعہ عام امریکیوں کے مزاج کو بتاتا ہے۔ عام امریکی بے پناہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس پیسہ باقی نہیں رہتا۔ اکثر اوقات وہ مقروض رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ بظاہر خوش پوشاک اور خوش وخرم آدمی اندر سے غیر مطمئن ہوتا ہے۔ حقیقی

خوشی سے محرومی کی تلافی وہ شراب کے ذریعہ کرتا ہے۔ امریکیوں کی غلط عادتوں نے، ساری ترقی کے باوجود، انھیں اندر سے کھوکھلا کر رکھا ہے۔

محمد اسد صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن (The Message of the Qur'an) کا ذکر سنا تھا مگر اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہاں اس کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے سامنے جو نسخہ ہے، وہ نہایت عمدہ چھپا ہوا صرف ایک جلد میں ہے۔ اس کے ایک ہزار صفحات ہیں۔ وہ انگلینڈ میں چھپا ہے اور درج ذیل ادارہ نے اس کو شائع کیا ہے:

Dar al-Andalus Limited, 3 Library Ramp, Gibraltar

تشریحی نوٹوں میں محمد عبدہ (المنار) کے کافی حوالے ہیں اور اسی طرح الرازی کے بھی۔ تاہم بیشتر مقامات پر تشریح کا انداز روایتی ہے۔ مثال کے طور پر عسی ان یبعثك ربك مقاماً محمودا کا ترجمہ مع تشریح یہ کی ہے:

...and thy sustainer may well raise thee to a glorious station (in the life to come).

ترجمہ کے سلسلہ میں میرا ذوق یہ ہے کہ اس کو خالص لفظی ہونا چاہئے۔ تشریحی ترجمہ مجھے ذاتی طور پر پسند نہیں۔ مگر اسد صاحب نے جگہ جگہ تشریحی ترجمے کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ان مع العسر یسرا کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

Verily, with every hardship comes ease.

اس ترجمہ میں کوئی مزید تشریح درج نہیں ہے۔ اس ترجمہ میں comes کا لفظ تشریحی اضافہ ہے۔ اس سے آیت کی اصل معنویت متاثر ہو جاتی ہے۔ صحیح لفظی ترجمہ اس طرح ہونا چاہئے:

Verily, with every difficulty there is ease.

محمد اسد صاحب بنیادی طور پر ایک صحافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر میں وہ گہرائی نہیں جو ایک محقق کے یہاں ملتی ہے۔ مثال کے طور پر یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کا ایک اعتراض قرآن پر یہ ہے کہ اس میں تصنیفی یکسانیت نہیں۔ اس میں (incoherent rambling) پائی جاتی ہے۔ مثلاً کہیں اللہ کا لفظ ہوگا کہیں وہ، کہیں ہم اور کہیں میں، کہیں ہم پر اور کہیں مجھ پر۔

اس کا جواب محمد اسد صاحب نے یہ دیا ہے:

These changes are... a linguistic device meant to stress the idea that God is not a person and cannot, therefore, be really circumscribed by the pronouns applicable to finite beings. (Foreword)

یہ جواب مجھے سطحی معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں اس قسم کے فرق کا سبب کوئی الٰہیاتی مسئلہ نہیں۔ یہ صرف لسانی اسلوب ہے۔ مستشرقین قرآن کو اپنے معروف تصنیفی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ قرآن ایک دعوتی کتاب ہے، اس میں داعیانہ اندازِ کلام اختیار کیا گیا ہے۔ اور دعوتی کلام یا داعیانہ اسلوب میں اس قسم کا فرق عین مطلوب ہے، کیوں کہ اس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

صغیر اسلم صاحب پاکستان سے ۱۹۵۷ میں کیلی فورنیا (امریکہ) آئے۔ اس وقت وہ نوجوان تھے۔ وہ یہاں کی فضا میں عریانیت اور فحاشی کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہاں اپنے ایمان و اخلاق کو کس طرح بچائیں۔ انھوں نے بتایا کہ چودھری محمد علی (سابق وزیر اعظم پاکستان) ان کے رشتہ دار تھے۔ صغیر اسلم صاحب نے چودھری محمد علی صاحب سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ قرآن میں ہے کہ نماز آدمی کو فحش اور منکر سے روکتی ہے۔ اس لئے میں تم کو صرف ایک مشورہ دیتا ہوں۔ تم نماز کے پابند بن جاؤ۔ نماز تم کو محفوظ رکھے گی۔ صغیر اسلم صاحب نے اس مشورہ کو پکڑ لیا اور خدا کے فضل سے امریکہ میں ۳۳ سال سے مومن و مسلم بن کر رہ رہے ہیں۔

اس واقعہ کو میں نے سنا تو میں نے سوچا کہ پاکستان بننے کے بعد اس کے ابتدائی دور میں کیسے کیسے قیمتی لوگ پاکستان کو ملے تھے۔ مگر اسلام پسندوں کی مجنونانہ سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے بہترین لوگ استعمال ہونے سے رہ گئے۔ ان میں سے بہت سے لوگ تھے جو وہاں کے خلفشار کو دیکھ کر باہر کے ملکوں میں جاکر رہنے لگے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ پاکستان بنے ہوئے تقریباً ۴۵ سال ہوگئے۔ مگر پاکستان کو جتنا ترقی کرنا چاہئے تھا وہ نہ کر سکا۔ میں نے کہا کہ سب سے زیادہ ذمہ داری ان نام نہاد اسلام پسندوں پر ہے جو پاکستان بنتے ہی وہاں

کے حکمرانوں سے لڑ گئے۔ اگر یہ لوگ عملی سیاست سے الگ رہ کر افراد سازی اور اصلاح معاشرہ کے کام میں لگتے تو آج پاکستان کی تصویر بالکل مختلف ہوتی۔

ایک صاحب ہندستان سے امریکہ آئے اور اب یہاں کے شہری ہو کر آرام کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ وہ یہاں ایک سرکاری محکمہ میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کے حکمراں منافق ہیں، وہ سیکولرزم کی باتیں کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب کا معاملہ کرتے ہیں۔ آپ لوگ ان کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ امریکہ اس سے بڑا منافق ہے۔ وہ کویت میں صدام کے قبضہ (occupation) کی مذمت کرتا ہے اور اس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف یہی امریکہ فلسطین میں یہودیوں کے قبضہ کی حمایت اور سرپرستی کر رہا ہے۔ اس کے باوجود آپ امریکہ کے ساتھ ایڈجسٹ کر کے یہاں رہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ڈبل اسٹینڈرڈ ہے۔ اپنے لئے آپ ایڈجسٹمنٹ کا اصول پسند کرتے ہیں اور دوسروں کو جنگ اور ٹکراؤ کا مشورہ دے رہے ہیں۔

۲۲ نومبر کو صغیر اسلم صاحب کو ایک ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا کہ دیکھوں یہاں کے ڈاکٹروں کے کلینک کیسے ہوتے ہیں۔ واپسی میں ایک مسئلہ پیش آگیا۔ صغیر اسلم صاحب جب اپنی گاڑی میں بیٹھے اور اس کو اسٹارٹ کرنا چاہا تو کوشش کے باوجود وہ اسٹارٹ نہیں ہوئی۔ یہ نئی اسٹرلنگ (Sterling) گاڑی تھی۔ خیال ہوا کہ شاید بیٹری ختم ہو گئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے وہیں سے انشورنس کمپنی کو ٹیلیفون کیا۔ اس کے صرف آٹھ منٹ بعد ان کا آدمی ایک بڑی گاڑی لے کر آگیا جس میں ٹیلیفون سے لے کر کرین تک ہر چیز موجود تھی۔ آدمی نے کافی کوشش کی۔ مگر گاڑی اسٹارٹ نہ ہو سکی۔ آخر کار اس نے کہا کہ اب یہ گاڑی ورک شاپ جائے گی۔ اس نے اپنے آفس کو ٹیلیفون کر کے گاڑی کو ورک شاپ بھیجنے کا انتظام کیا اور ہم لوگوں کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر تک پہنچا دیا۔

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ یہاں کام کرنے کا انداز کیا ہے۔ یہی وہ سہولتیں ہیں جن کی بنا پر ہندستان (اور دوسرے ملکوں) کے اکثر ذہین اور تعلیم یافتہ لوگ اپنے ملکوں کو چھوڑ کر مغربی ملکوں میں پہنچ رہے ہیں۔ ہندستان میں مندر اور مسجد کے جھگڑوں پر اور جلوس اور نعروں

کے ہنگاموں پر کروڑوں لوگ سرگرم ہیں۔ حتی کہ اپنا جان و مال تباہ کر رہے ہیں۔ مگر ملک میں کارکردگی کا اعلیٰ ماحول بنانے کے لئے کوئی سرگرم نہیں ہوتا۔

ایک تاجر کے دفتر میں میں نے دیکھا کہ ایک امریکی خاتون بطور سکریٹری کام کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے تجربہ میں کس ملک کے ورکر سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ انھوں نے فوراً کہا کہ جاپانی۔ انھوں نے کہا کہ جاپانی ورکر نہایت وفادار، نہایت محنتی اور نہایت دیانتدار ہوتا ہے۔ یہاں ہر آفس والا جاپانی ورکر کو پسند کرتا ہے۔ مگر جاپان کے لوگ زیادہ تر بزنس کے لئے آتے ہیں۔ وہ ملازمتوں کے لئے کم آتے ہیں۔

انھوں نے مزید بتایا کہ ایک ٹیلیویژن پروگرام میں انھوں نے دیکھا کہ جاپان میں ورکروں کی تربیت کے لئے بڑی بڑی تنظیمیں بنی ہوئی ہیں۔ وہاں بہت سے ادارے ہیں جو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تربیت دے کر اپنے افراد کے اندر وہ صفات پیدا کرتے ہیں جس کے بعد وہ بہترین کارکن بن سکیں۔ میں نے سوچا کہ ہندستان کے نام نہاد مسلم لیڈر اگر صرف یہ کرتے کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جو مسلمانوں کو تربیت دے کر عمدہ کارکن بنائیں تو آج مسلمان ملک کی غالب کمیونٹی کا مقام حاصل کر لیتے۔ مگر ان نااہل لیڈروں نے مسلم عوام کو جذباتی نعروں پر دوڑا کر صرف ان کی بربادی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

صغیر اسلم صاحب ان مستثنیٰ افراد میں سے ہیں جو اپنی فطرت پر قائم رہتے ہیں۔ مثلاً ان کے ساتھ اشتعال انگیزی کی جائے تب بھی وہ مشتعل نہیں ہوتے۔ ایک بار ایک صاحب ان پر غصہ ہو گئے اور مجمع کے اندر انھیں برا بھلا کہنے لگے۔ وہ صاحب نہایت سخت الفاظ بول رہے تھے، مگر صغیر اسلم صاحب انھیں کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ آپ کے ساتھ اتنی سخت کلامی کر رہے ہیں اور آپ اس کے جواب میں کچھ نہیں بولتے۔ صغیر اسلم صاحب کا مختصر جواب یہ تھا: یہ ان کا پرابلم ہے، میرا پرابلم تو نہیں۔

ہر آدمی پیسہ کمانا چاہتا ہے۔ اس اعتبار سے ہر ملک گویا تجارتی ملک ہے۔ مگر امریکہ میں تجارت گویا ایک خوب صورت فن بنا دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کی چیزوں کے نام پر بے شمار تجارتیں وجود میں آئی ہیں۔ انھیں میں سے ایک بچوں کا لٹریچر ہے۔ بچوں کے

لئے کتابیں اتنے خوب صورت اور اتنے معیاری انداز میں چھاپی جاتی ہیں کہ ماں باپ اس کو خریدنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔

مثلاً ایک کتاب نظر سے گزری۔ ۲۰۰ صفحہ کی اس خوب صورت کتاب کا نام تھا ــــ مجھ کو بتاؤ کہ کیوں (Tell Me Why) نام کے نیچے یہ الفاظ درج تھے:

Brief, accurate answers to hundreds of questions children ask about.

میں نے اس کے مختلف حصے پڑھے۔ کتاب اپنے نام کے عین مطابق تھی۔ اردو میں میں نے اس طرح کی کئی کتابیں دیکھی ہیں۔ مگر ان میں معلومات کم اور ادبیت زیادہ ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ معلومات متعین اور محدد انداز میں نہیں ہوتیں۔ مذکورہ کتاب کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ انتہائی سادہ اور انتہائی محدّد اسلوب میں لکھی گئی تھی۔ البتہ انواع حیات سے متعلق معلومات میں جگہ جگہ نظریۂ ارتقاء شامل تھا جس سے مجھے اتفاق نہیں۔ میں ارتقاء کو محض ایک مفروضہ سمجھتا ہوں نہ کہ کوئی واقعی حقیقت۔

ایک رپورٹ عالمی اقتصادیات کے بارہ میں دیکھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ ۱۹۸۶ میں امریکہ کے اوپر قومی قرضہ ۲۱۱۲ بلین ڈالر تھا۔ اس لحاظ سے امریکہ وہ ملک ہے جس کے اوپر سب سے زیادہ قومی قرضہ ہے:

The largest national debt is that of the US

میں نے امریکہ کے ایک معاشی عالم سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے قرضہ کی وہ نوعیت نہیں ہے جو تیسری دنیا کے قرضہ کی ہوتی ہے۔ تیسری دنیا کے ملک اقتصادی مدد کے طور پر قرض لیتے ہیں۔ اور کئی ملکوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس کی قسط بھی ادا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس کی قسط کی ادائگی کے لئے دوبارہ قرض لینا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس امریکہ جو قرض لیتا ہے وہ پیداواری مقصد کے لئے لیتا ہے، جیسے ایک کمپنی بینک سے قرض لے کر اپنا کاروبار بڑھاتی ہے۔ چنانچہ امریکہ اگر سب سے بڑا مقروض ملک ہے تو اس سے زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ قومی پیداوار (National product) کے معاملہ میں وہ تمام دنیا کے ملکوں سے بڑھا ہوا ہے:

The country with the largest GNP is the US,
reaching nearly $ 4,000 billion in 1986.

لینا اور دینا اس دنیا میں نسبتی مقدار کا نام ہے۔ اگر آپ دنیا سے زیادہ لے رہے ہوں مگر دینے کے معاملہ میں اس سے بھی زیادہ دے رہے ہوں تو آپ لوگوں کی نظر میں دینے والے ہی سمجھے جائیں گے۔

مشہور کتاب گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈس (Guinness Book of World Records) کا نام میں نے سنا تھا مگر اس کو دیکھا یا پڑھا نہیں تھا۔ وہ کتاب مجھ کو یہاں ملی۔ اس کا کافی حصہ دیکھا۔ میرے سامنے اس کا ۱۹۸۷ کا اڈیشن ہے۔ انڈکس وغیرہ کو شامل کرتے ہوئے اس کے تقریباً ۷۰۰ صفحات ہیں۔ یہ کتاب کئی آدمیوں نے مل کر تیار کی ہے۔

دیباچہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب پہلی بار امریکہ سے ۱۹۵۶ میں شائع ہوئی۔ چھپتے ہی وہ بہت زیادہ بکنے والی کتابوں (best-sellers) میں نمبر ایک کتاب بن گئی۔ ۲۵ زبانوں میں وہ ۱۹۸۷ تک ۲۲۰ بار چھپ چکی تھی۔ جن زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں، ان میں عربی اور ہندی زبانیں بھی شامل ہیں۔

اس کتاب میں ہر قسم کی غیر معمولی چیزوں کا ذکر ہے۔ مثلاً سب سے لمبا آدمی، سب سے اونچا پہاڑ، سب سے پرانا درخت، سب سے لمبا یا سب سے چھوٹا دریا، سب سے بڑا آئس برگ وغیرہ۔ یہ کتاب گویا ریکارڈ توڑ چیزوں (Record breakers) کی قاموس ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کتاب چھپی تو وہ خود ریکارڈ توڑنے کی ایک مثال ہوگئی۔ ۱۹۸۶ تک عالمی سطح پر ۵۳ ملین کتابیں فروخت ہو چکی تھیں۔ یہ تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان کو ایک کے اوپر ایک رکھا جائے تو ان سے ۱۱۸ ڈھیر ایسے بن سکتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی اونچائی ماونٹ ایورسٹ کے برابر ہو۔ جبکہ ماونٹ ساڑھے پانچ میل اونچا ہے۔

کتاب کے الفاظ میں اچنبھے میں ڈالنے والے واقعات (amazing facts) کے اس مجموعہ کو اتنی زیادہ مقبولیت کیوں حاصل ہوئی۔ اس پر غور کرتے ہوئے میری سمجھ میں آیا کہ انسان کی فطرت میں پیدائشی طور پر سب سے زیادہ طاقتور احساس یہی اچنبھا (amazement)

اور استعجاب کا احساس ہے۔ آدمی کے اندر بے پناہ گہرائی کے ساتھ یہ جذبہ چھپا ہوا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو دیکھے جو غیر معمولی حد تک عظیم ہو تو اس کی عظمت کے احساس سے سرشار ہو جائے۔ اسی احساس کا ایک نتیجہ فطرت پرستی اور ہیرو پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

انسان کے اندر یہ شعور اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ خدائے ذوالجلال کو پہچانے اور اس کے آگے اپنی عبدیت کا اظہار کرے۔ یہی "الٰہ" کا مطلب ہے۔ لاالٰہ الااللہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے اپنے احساس کو دوسری تمام سمتوں سے ہٹا کر ایک خدا کی طرف موڑ لیا۔ شرک کی تمام صورتیں دراصل اسی احساس کا غلط استعمال ہیں۔

ایک صاحب یہاں کے "اردو داں مسلمانوں" کی دعوت پر امریکہ آئے تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے ہم وطنوں کے درمیان تقریریں کیں۔ ان کا ایک کیسٹ سننے کا اتفاق ہوا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ دعوتی کام، جس کو یہاں دعوہ ورک (Daw'ah work) کہا جاتا ہے۔ وہ محدود معنوں میں ایک اچھا کام ہو سکتا ہے۔ مگر یہی اصل اسلامی کام نہیں۔ اصل کام ہے نظام کو بدلنا۔ ہم ایک مکمل انقلاب لانے کے علمبردار ہیں۔ اور مکمل انقلاب جہاد و قتال کے بغیر کبھی نہیں آتا۔ ہمارا نشانہ یہ ہے کہ انقلابی جدوجہد کے ذریعہ امریکہ میں اور اسی طرح سارے عالم میں مکمل اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔

اس قسم کی باتوں کا تعلق اسلام سے تو کیا ہوگا۔ ان کا عقل سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس کو ایک قسم کی سیاسی شاعری کہا جا سکتا ہے۔ مصر اور پاکستان کے اسلام پسندوں نے اسی قسم کی سیاسی شاعری میں پچاس قیمتی سال ضائع کر دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی پیرانوئک (paranoiac) نفسیات ہے جس کی بنا پر ایسے مقرروں کو کچھ سامعین مل جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو اس قسم کے لوگوں کو حقائق کی اس دنیا میں کوئی سننے والا اور پڑھنے والا نہ ملے۔

قرآن و سنت کے مطابق اسلام کا اصل کام دعوتی کام ہے۔ دعوتی کام سے مراد کوئی سطحی کام نہیں، اس سے مراد افراد کے اندر ذہنی انقلاب لانا ہے۔ اسلام کا اصل مقصد یہ ہے

لوگ اللہ کی معرفت حاصل کریں۔ لوگ آخرت کی حقیقت کو محسوس کرنے والے بن جائیں۔ لوگ اسلام کی صداقت پر یقین کرنے والے بن جائیں۔ یہی جڑ کا کام ہے۔ جو لوگ اس معنی میں اسلام کو پالیں، وہ آخرت میں خدا کی ابدی رحمتوں کے مستحق ٹھہریں گے۔ اور اگر اس قسم کے انسانوں کی بڑی تعداد کسی مقام پر پیدا ہو جائے تو اس کے بعد ان کے درمیان وہ چیز بھی وجود میں آجاتی ہے جس کو اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔

یہاں یونیورسٹیوں اور لائبریریوں وغیرہ کے اندر پارکنگ لاٹ ہیں۔ اس کے مطابق، ہر طبقہ کا آدمی اپنی اپنی مختص کی ہوئی لاٹ میں گاڑی کھڑی کرتا ہے۔ لاٹ کے گیٹ کمپیوٹرائزڈ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر مطلوبہ کارڈ ڈالنے ہی سے وہ دروازے کھلتے ہیں۔ ایک لائبریری میں ایک جگہ جنگلہ سا نظر آیا۔ یہاں سائیکل کھڑے کرنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ غالباً دس سائیکلوں کی جگہ ہوگی، مگر صرف دو سائیکلیں وہاں کھڑی ہوئی تھیں۔ البتہ وہاں لکھے ہوئے یہ الفاظ بہت قابل توجہ تھے ـــــ اس کو تالا لگاؤ یا اس کے کھونے کا انتظار کرو:

'Lock it or loose it.

میں نے سوچا کہ یہ مسئلہ صرف سائیکل کا نہیں بلکہ خود "سائیکل سوار" کا بھی ہے۔ آدمی کو خود بھی یہی کرنا ہے کہ وہ اپنے آپ پر تالا لگائے، اپنے آپ کو حد سے باہر جانے سے روکے۔ ورنہ وہ اپنے آپ کو کھو دے گا۔ بے تالے کی سائیکل کو چور لے جاتا ہے اور بے تالے کے آدمی کو شیطان۔

ایک عرب سے ملاقات ہوئی۔ وہ حزب التحریر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ حزب ۱۹۵۳ء میں عرب میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے موسس الشیخ نبہانی ہیں۔ مگر عرب ملکوں میں ہر جگہ ان پر پابندی ہے۔ اس لئے یہ لوگ آجکل امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

انھوں نے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ایک کتاب دی۔ اس عربی کتاب (حزب التحریر) میں اس تحریک کا تعارف درج تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کافر حکومتوں کے غلبہ و نفوذ (سیطرۃ الدول الکافرۃ ونفوذھا) کا سبب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں "خلافت" کا ادارہ

قائم نہیں ہے۔ ان حضرات کے نزدیک سب سے پہلا اسلامی کام یہ ہے کہ خلافت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

اس میں ان لوگوں پر تنقید کی گئی ہے جو "اصلاح افراد" کی بات کرتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ مجتمع کی اصلاح افراد کی اصلاح سے نہیں ہوتی بلکہ مجتمع کی اصلاح اس کے نظام کی اصلاح سے ہوتی ہے (ان اصلاح المجتمع لا یکون باصلاح افرادہ بل ان اصلاح المجتمع انما یکون باصلاح انظمتہ)

یہ مارکسی طرز فکر کو اسلام میں داخل کرنا ہے جس کو قرآن میں مضاھاۃ کہا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے تمام انقلابی مفکرین اسی مضاہاۃ کا شکار ہوئے ہیں۔ مگر اسلام کے نزدیک اصل اہمیت فرد کی ہے۔ فرد کے اندر توحید اور آخرت کا شعور پیدا کرنا، یہی اصل اسلامی کام ہے۔ بقیہ تمام چیزوں کی حیثیت ثانوی ہے۔

ورلڈ کونسل آف چرچز کے نام سے جنیوا میں ایک ادارہ قائم ہے۔ فروری ۱۹۹۱ میں اس کا ایک بڑا اجلاس آسٹریلیا میں ہونے والا ہے۔ اس میں ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی کو خصوصی دعوت نامہ ملا ہے۔ میں نے دعوت نامہ کو دیکھا۔ اس میں اس کی ایک تھیم یہ بتائی گئی تھی جو میرے نزدیک نہایت درست تھی:

The creation and perception of enemy images are among the ideological and psychological roots of militarism.

امریکہ کے ایک بہت بڑے تاجر ہیں۔ ان کا نام Alfred Armand Montapert (مونٹاپرٹ) ہے۔ انھوں نے لاس اینجلیز میں ۱۲ سال کی عمر میں ایک مزدور کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ مگر ان کی حوصلہ مند طبیعت زندگی میں اوسط کامیابی (average success) پر راضی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے تعلیم شروع کرکے الکٹریکل انجنیئر کی ڈگری لی۔ اس کے بعد وہ صنعت میں داخل ہوئے اور نصف درجن سے زیادہ بڑی کمپنیاں بنائیں۔

ہر آدمی کے اندر اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ چھپا ہوا ہے۔ مگر خوش قسمت وہ ہے جس کو اللہ یہ توفیق دے کہ وہ دنیا میں "اوسط کامیابی" پر راضی ہوکر اپنے اعلیٰ

DISTILLED WISDOM

The universe does not make sense without God.	– E. Stanley Jones
Religion brings man the answer which his heart desires.	– Alexis Carrel
Produce great men, the rest follows.	– Walt Whitman
Success is ninety-nine per cent mental attitude.	– Wilferd Peterson
Who knows the mind has the key to all things else.	A.B. Alcott
Expedients are for the hour; principles for the ages.	– H.W. Beecher
A problem well stated is a problem half solved.	– Charles Kettering
The thousand-mile journey starts with one step.	– Confucius
Buy not what you want, but what you need.	– Cato
A clear statement is the strongest argument.	– English proverb
Keep cool; anger is not argument.	– Daniel Webster
When all else is lost the future still remains.	– Jean-Paul Sartre
Life begins when a person first realizes how soon it ends.	– A.A.M.
No gain without pains.	– Franklin
Gold is tried in fire, friendship in need.	– Danish saying
Fools rush in where angels fear to tread.	– Alexander Pope
Avoid the evil and it will avoid thee.	–Gaelic Proverb
One example is worth a thousand arguments.	– William Gladstone
If you would lift me you must be on higher ground.	– Emerson
He that is good for making excuses is seldom good for anything else.	– Franklin
Silence is one of the great arts of conversation.	–Cicero
All your strength is in union. All your danger is in discord.	– Longfellow
A man who is master of patience is master of everything else.	– Lamartine
There is a woman at the beginning of all great things.	– Edward Bok
Happiness lies in a constructive job well done.	– Hubbard
Joy is not in things, it is in us.	– Charles Wagner
Great haste makes great waste.	– Franklin
There is no education like adversity.	–Councillor
Many receive advice, only the wise profit by it.	– Publilius Syrus
Your advertising should be written to convince your customers, not yourself.	– Roy Smith
When anger rises, think of the consequences.	– Confucius
Successful men usually snatch success from seeming failure.	– A.P. Goutlay
My way is to begin with the beginning.	– Lord Byron
It is the surmounting of difficulties that makes heroes.	– Kossuth
With ordinary talent, and extraordinary perseverence, all things are attainable.	– Thomas Buxton
We win by tenderness; we conquer by forgiveness.	– F.W. Robertson
Life cannot go on without much forgetting.	– Balzac
Many of the greatest men have owed their success to industry rather than to cleverness.	– A.A.M.
Go outdoors and get rid of nerves.	– Dr. Frank Crane
The only period of time you can ever act upon is right now.	– Dr. Paul Parker
One cannot be envious and happy at the same time.	– Henry Greber
Little effort, little result; big effort, big result.	– A.A.M.
Nature works on a method of all for each and each for all.	– Emerson
Violence is the weapon of the weak, non-violence that of the strong	– Gandhi
To speak as the common people do, to think as wisemen do.	– Roger Ascham
He is safe from danger who is on guard even when safe.	– Publiliuu Sqgux

کامیابی کے حوصلوں کو آخرت کی طرف موڑ دے۔ جو شخص دنیا میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنا چاہے وہ آخرت کے معاملہ میں تہی دست ہو کر رہ جائے گا۔

مسٹر مونٹاپرٹ کی عادت تھی کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کے حکمت و دانش کے اقوال نوٹ کرتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کے پاس بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا۔ ان کو انھوں نے ساڑھے تین سو صفحات کی ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس کا نام (Distilled Wisdom) (ڈسٹلڈ وزڈم) ہے۔ اس میں ایک ہزار آدمیوں کے کئی ہزار اقوال درج ہیں۔ میرے سامنے اس کا پانچواں اڈیشن ہے جو نیو جرسی سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب مجھے پسند آئی۔ اس کے کچھ اقوال بطور نمونہ الگ صفحہ پر درج کئے جاتے ہیں۔

امریکہ میں پانچویں کلاس میں پڑھائی جانے والی ایک کتاب "سوشل اسٹڈیز" کے بارہ میں دیکھی۔ کتاب کا نام اور مصنف کا نام یہ تھا:

The Eastern Hemisphere, Yesterday and Today
by Kenneth S. Cooper, Silver Burdett & Ginn, 1988.

۵۵۰ صفحات پر چھپی ہوئی اس خوب صورت کتاب کا ایک باب یہ ہے ـــــ محمد، عربوں کے لیڈر:

Mohammad: Leader of the Arabs

اس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں محمد ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ "کیمل ڈرائیور" کی حیثیت سے ان مقامات پر گئے جہاں یہودی اور مسیحی آباد تھے۔ ان سے انھوں نے ان کے مذہب کی باتوں کو سیکھا۔ ایک عجیب وغریب قسم کی سواری کے اوپر ایک عجیب وغریب قسم کے آدمی کو ایک تصویر میں بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

Here an artist shows Mohammad on a journey through the heavens to see God. Do you think the artist saw this happen? (p.339)

ایک تصویر میں ایک باریش آدمی خلافت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ بہت سے آدمی ننگی تلواریں اپنے ہاتھ میں اٹھائے اس کی حمایت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کے نیچے لکھا ہوا ہے:

Abu Bakr is being hailed as Islam's first Caliph.
How is the crowd showing him support? (p. 342)

ایک جگہ قرآن کے ایک صفحہ کی تصویر ہے۔ یہ صفحہ قدیم طرز کے معمولی خط میں لکھا ہوا ہے۔ اس تصویر کے نیچے لکھا ہوا ہے:

These pages from the Koran are a sample of Arabic writing.
Why might they be described as a work of art? (p. 352)

اس طرح کی کئی غیر نمائندہ تصویریں دینے کے بعد آخر میں ایک اور تصویر ہے۔ اس میں ایک عرب اسکالر اپنا روایتی عربی لباس پہنے ہوئے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے جدید طرز کی مغرب کی بنی ہوئی ایک خوردبین رکھی ہوئی ہے۔ عرب اس مغربی خوردبین پر جھکا ہوا کسی چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس کے نیچے لکھا ہوا ہے:

The Arab researcher is working hard to find ways to cure diseases.
What tool is he using? (p. 354)

اس طرح بچوں کی اس کتاب میں نہایت منظم طور پر اسلام کو حقیر بنا کر دکھایا گیا تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں مغرب کی تصویر نہایت عظیم بنا کر پیش کی گئی تھی۔ کیلی فورنیا میں مقیم ایک ہندستانی مسلمان کا خط مجھے دہلی میں ملا تھا۔ انھوں نے الرسالہ پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ ہندستانی مسلمانوں کو بزدلی سکھا رہے ہیں۔ آپ کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے مسلمان آنکھیں بند کر کے تعلیم اور تجارت جیسی چیزوں میں لگ جائیں۔ اس طرح تو مسلمان اپنی شناخت بھی کھو دیں گے۔

ان مسلمان صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے مذکورہ کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس قسم کی باتوں پر ہندستان میں مسلمان لڑیں تو اس کو آپ جہاد بتاتے ہیں اور خود اس قسم کی بے شمار باتوں کو برداشت کر کے امریکہ میں اطمینان کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ بتائیے کہ آپ کا یہ رویہ، آپ کے معیار کے مطابق، بزدلی ہے یا بے راہ روی۔ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مکہ کے انگریزی پرچہ مسلم ورلڈ لیگ جرنل (جولائی۔ اگست ۱۹۹۰) نے امام وارث دین محمد کا ایک انٹرویو چھاپا تھا۔ اس کا ایک سوال وجواب یہ تھا:

Q. What are the deficiencies of American Muslims today.
A. Our main deficiency in America is the need for materials. Other religions in America mainly depend on their literature. So our main deficiency is that we need much more excellent literature for doing an excellent job of Dawah in the United States. (47-48)

پوچھا گیا کہ دعوت کے کام کے سلسلہ میں آج امریکی مسلمانوں کی بنیادی کمی کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امریکہ میں ہماری بنیادی کمی سامان کی ضرورت ہے۔ امریکہ میں دوسرے مذاہب اپنی تبلیغ کے لئے زیادہ تر لٹریچر پر انحصار کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری بنیادی کمی یہ ہے کہ ہم زیادہ اعلیٰ قسم کے دعوتی لٹریچر کے ضرورت مند ہیں۔ تاکہ ہم امریکہ میں زیادہ اعلیٰ پیمانہ پر دعوتی کام کرسکیں۔

یہاں یہ سوال ہے کہ مسلمانوں میں ہزاروں کی تعداد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ابھی تک انگریزی میں اعلیٰ قسم کی دعوتی کتابیں تیار نہ ہوسکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تمام علماء اور دانشور نفرتِ مغرب یا نفرت امریکہ میں جی رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اہل مغرب کے لئے اعلیٰ دعوتی لٹریچر تیار کرسکیں۔ دعوتی کلام کے لئے محبت بھرا دل درکار ہے نہ کہ نفرت بھرا دل۔

امریکہ کے سفر میں میری ملاقات ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان سے ہوئی۔ وہ دین سے بھی واقف تھے اور اسی کے ساتھ انگریزی کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ گفتگو کے دوران انھوں نے امریکہ کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ "امریکہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے"۔ یہ میرے نزدیک سراسر غیر داعیانہ مزاج ہے، اور غیر داعیانہ مزاج کے ساتھ کبھی داعیانہ لٹریچر تیار نہیں کیا جاسکتا۔

امریکہ کے زمانۂ قیام میں عام ملاقاتوں کے علاوہ متعدد بار اجتماعی خطاب کا موقع ملا۔ یہ خطابات زیادہ تر تذکیری نوعیت کے تھے۔ میں نے ان خطابات میں آخرت پسندانہ مزاج، اتحاد اور دعوت کی اہمیت پر زور دیا۔ ان خطابات کا ایک نقشہ اگلے صفحہ پر درج کیا جاتا ہے۔

امریکہ کے زمانۂ قیام میں

۲۱ نومبر ۱۹۹۰	نماز عشا، کے بعد اسلامک سوسائٹی آرنج کاونٹی کی مسجد میں تقریر
۲۲ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس قرآن
۲۳ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس قرآن
۲۴ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس قرآن
۲۴ نومبر	شام کو ایڈیسن کمیونیٹی سنٹر میں مردوں اور عورتوں کے اجتماع سے خطاب
۲۵ نومبر	مسلم فیملی کانفرنس، لاس اینجلیز میں کلچرل کنورژن کا مسئلہ اور اس کا حل پر تقریر
۲۶ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس قرآن
۲۶ نومبر	نماز عشا، کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں تقریر، عنوان: "صحابہ اسپرٹ"
۲۷ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس قرآن "مومن کا کردار"
۲۹ نومبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس حدیث
۳۰ نومبر	شام کو صغیر اسلم صاحب کی رہائش گاہ پر اجتماعی کھانا (Potluck) کے موقع پر تقریر
یکم دسمبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس حدیث
یکم دسمبر	شام کو صفی قریشی صاحب کی رہائش گاہ پر ایک اجتماع سے خطاب
۲ دسمبر	نماز فجر کے بعد اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں درس حدیث
۲ دسمبر	دوپہر کو سین گیبریل کے اسلامک سنٹر میں مردوں اور عورتوں کے اجتماع میں تقریر
۲ دسمبر	اسلامک سوسائٹی آرنج کاؤنٹی کے ہال میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل پر تقریر
۳ دسمبر	اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس حدیث
۳ دسمبر	دوپہر کو سین گیبریل کے اسلامک سنٹر میں تعلیم یافتہ خواتین کے اجتماع سے خطاب
۴ دسمبر	اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس حدیث
۴ دسمبر	اسلامک انفارمیشن سروس، لاس اینجلیز میں ویڈیو پر انٹرویو
۵ دسمبر	اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس حدیث
۵ دسمبر	صغیر اسلم صاحب کی رہائش گاہ پر خواتین کے اجتماع میں تقریر "عورت کا رول اسلام میں"
۶ دسمبر	اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس حدیث
۶ دسمبر	شام کو اسلامک سوسائٹی کے ہال میں ـــــ "قیام امریکہ کے تاثرات"

خبرنامہ اسلامی مرکز ۷۸

۱ صدر اسلامی مرکز نے اکتوبر ۱۹۹۱ میں روم، مالٹا، قاہرہ کا دورہ کیا۔ لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور مختلف اجتماعات میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ اس کی رپورٹ انشاء اللہ روداد سفر کے تحت الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۲ یکم ستمبر ۱۹۹۱ کو گول مارکیٹ (نئی دہلی) میں اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس موقع پر "صبر و اعراض کی اہمیت" کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں صبر و اعراض کی اہمیت بتائی گئی۔

۳ لاہور کے دینی حلقوں کی دعوت پر ستمبر ۱۹۹۱ میں صدر اسلامی مرکز نے لاہور کا سفر کیا۔ وہاں ایک ہفتہ کے قیام میں خطاب اور ملاقاتوں کے کئی پروگرام ہوئے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ سفر نامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۴ نئی دہلی کے اینگنل اسکول (Fr. Agnel School) میں ۲۰ نومبر ۱۹۹۱ کو اسکول کی سالانہ تقریب ہوئی۔ وسیع ہال میں کئی ہزار کی تعداد میں چھوٹے اور بڑے مختلف مذہب کے لوگ جمع ہوئے۔ اسکول کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اجتماع سے خطاب کیا۔ خطاب کا موضوع تھا: امن کے قیام میں مذہب کا حصہ۔

۵ امریکہ کے یونی فیکیشن چرچ اور پونہ کے ڈی نابلی کالج کے تعاون سے پونہ میں نومبر ۱۹۹۱ میں مختلف مذاہب کی کانفرنس ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کی روداد انشاء اللہ سفر نامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۶ ہندی ہفتہ وار پانچ جنیہ کے نمائندہ مسٹر سبھاش چندر سنگھ نے ۷ نومبر ۱۹۹۱ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو نیشنلزم اور کمیونلزم سے متعلق تھا۔ ان کے تمام سوالات کا جواب اسلام کی روشنی میں دیا گیا۔

۷ نومبر ۱۹۹۱ میں صدر اسلامی مرکز نے بمبئی اور شولاپور کا دورہ کیا۔ لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور خطابات کے پروگرام میں شرکت کی۔ اس کی تفصیلی روداد انشاء اللہ سفر نامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۸ ڈاکٹر حمید اللہ ندوی اور مولانا محمد صدیق قاسمی بھوپال سے اطلاع دیتے ہیں کہ بھوپال میں نیشنل بک ٹرسٹ کی طرف سے آل انڈیا کتابوں کی نمائش (بک فیر) کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر الرسالہ بک اسٹال لگایا گیا جو الحمد للہ بہت کامیاب رہا۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے آکر کتابیں دیکھیں اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔ ۱۱۰ اسٹالوں میں الرسالہ بک اسٹال کو منتظمین کی طرف سے فرسٹ انعام دیا گیا۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی طرف سے بہت سے تاثرات سامنے آئے۔ مثلاً ایک ہندو صحافی نے کہا کہ میں نے قرآن کے بارہ میں بہت سی ہندی چیزیں پڑھی ہیں۔ مگر موجودہ حالات میں صرف تذکیر القرآن کو اس معیار کا سمجھتا ہوں کہ وہ غیر مسلم کو ضرور اپیل کرے گی۔

۹ شولاپور کے احباب الرسالہ اردو، ہندی، انگریزی کے ایک ایک صفحہ کے منتخب مضامین چھوٹے سائز پر فوٹو کاپی تیار کراتے ہیں اور پھر اس کو مسجدوں میں اور دوسرے مقامات پر تقسیم کرتے ہیں۔

۱۰ ایک صاحب لکھتے ہیں: ضلع آکولہ کی گنج کی مسجد میں کچھ شرپسندوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ کی صبح کو دو خنزیر مار کر ڈال دئے۔ خنزیر کو مسجد میں پھینکنے پر مسلمانوں کا مشتعل ہو جانا یقینی تھا جس کا نتیجہ فساد ہوتا لیکن کچھ امن پسند مسلم حضرات کی کوششوں سے معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اس طرح ایک زبردست فساد ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعراض کی یہ پالیسی الرسالہ کے مطالعہ سے ہماری سمجھ میں آئی ہے (عبد الرشید صدیقی، آکولہ)

۱۱ ایک صاحب لکھتے ہیں: میرے ہاتھوں میں ماہنامہ الرسالہ کا ایک پرانا پرچہ ہے۔ پڑھ کر بے انتہا متاثر ہوا۔ اس کے بعد مزید پرانے پرچے حاصل کر کے پڑھے۔ دل و دماغ کو تسکین حاصل ہوئی۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کم از کم پانچ خریدار بنا کر الرسالہ کی ایجنسی قائم کروں۔ ایک پرچہ اپنے پاس رکھوں اور بقیہ کو دوسروں تک پہنچا کر اسلام کے مشن میں تعاون کروں۔ براہ کرم میرے نام ایجنسی جاری کر دیں (ماسٹر محمد یونس خاں، اندور)

۱۲ ۲ اکتوبر ۱۹۹۱ کو گول مارکیٹ (نئی دہلی) میں ایک اجتماع ہوا۔ اس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز نے اس موقع پر مسائل حاضرہ کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس تقریر کا ٹیپ مرکز میں موجود ہے۔

۱۳ ایک صاحب سعودی عرب سے لکھتے ہیں : حال میں میں ریاض آیا۔ یہاں ایک باکردار اور نیک شخصیت مقصود معین الدین سے ملاقات ہوئی۔ موصوف نے آپ کا الرسالہ (عظمت صحابہ) پڑھنے کے لئے دیا۔ جیسے جیسے پڑھتا جارہا تھا آگاہی کے دروازے کھلتے جارہے تھے۔ اور بہت کچھ جاننے کا جذبہ اور تجسس بڑھ گیا۔ پھر بھائی مقصود سے الرسالہ کے دیگر شمارے لے کر مطالعہ کیا اور ان سے فیض حاصل کیا۔ میری طرف سے براہ کرم چار پتوں پر (اردو، انگریزی) الرسالہ جاری فرمائیں (انعام الباری، ریاض)

۱۴ بیرونی ممالک سے ہم کو برابر ایسے خطوط ملتے رہتے ہیں جن میں انگریزی الرسالہ سے غیر معمولی دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے اس کو بھیجنے کی خواہش ظاہر کی جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک خط ایتھوپیا سے موصول ہوا ہے۔ اس کا نام و پتہ یہ ہے:

Ahmed Muhammed Awole, Alemaya University of Agriculture, P.O. Box 138, Diredawa, Ethiopia, Africa.

موصوف نے لکھا ہے کہ مجھ کو انگریزی الرسالہ کے کچھ شمارے ملے۔ ان کو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ تاہم اس کا زر تعاون روانہ کرنا موجودہ حالات میں مشکل ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ اعزازی طور پر انگریزی الرسالہ جاری کردیں۔ اس قسم کے خطوط اکثر آتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو لوگ تعاون کرنا چاہیں وہ براہ کرم مطلع فرمائیں۔

۱۵ ایک صاحب لکھتے ہیں : عظمت قرآن پڑھی۔ یہ کتاب نسل نو کے لئے ایک مشعل راہ ہے جس میں عظمت قرآن کو عام فہم زبان میں تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے۔ ہمارے علاقہ میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم طبقہ بھی الرسالہ سے فیض یاب ہو رہا ہے کیوں کہ نظام کے دور میں اس نے اردو پڑھی تھی۔ لوگ آپ کے خلاف کچھ بھی تنقید کرتے رہیں، کرنے دیجئے۔ یہ لوگ اشاعت فکر میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ہر انسان محسوس کرتا ہے کہ جس کی تنقید کی گئی اس کو پڑھے اور سمجھے۔ اس طرح میدان وسیع ہوتا جاتا ہے (ڈاکٹر عبد الغفور، پربھنی)

۱۶ ایک مشہور عرب روزنامہ نے اپنے ہفتہ وار اڈیشن میں "خاتون اسلام" کا عربی ترجمہ قسط وار چھاپنا شروع کیا ہے۔ یہ سلسلہ اکتوبر ۱۹۹۱ سے شروع ہوا ہے۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے۔ جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کردیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

زرتعاون الرسالہ

قیمت فی شمارہ	۵ روپیہ
زرتعاون سالانہ	۶۰ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	۳۰۰ روپیہ
بیرونی ممالک کے لیے	
ہوائی ڈاک (سالانہ)	۲۵ ڈالر امریکی
بحری ڈاک (سالانہ)	۱۵ ڈالر امریکی
خصوصی تعاون سالانہ	۱۰۰ ڈالر امریکی

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

الرسالہ

अल-रिसाला

इस्लामी और तामीरी मासिक रिसाला

उर्दू मे 15 और अंग्रेज़ी मे 7 वर्षों
से नियमित प्रकाशन के बाद

अब हिन्दी में भी!

मुख्य संपादक:
मौलाना वहीदुद्दीन ख़ान

नमूने की कॉपी और एजेन्सी के लिए सम्पर्क करें!
मूल्य: 5 रु. वार्षिक: 60 रु.
AL-RISALA (Hindi) Monthly
C-29 Nizamuddin West
New Delhi 110 013

RNI 28822/76 □ □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اول	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمت قرآن	25/-
دین کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہور اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاء اسلام	20/-
رازِ حیات (مجلد)	55/-
صراطِ مستقیم	35/-
خاتونِ اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصرِ حاضر	25/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہِ عمل	25/-
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوالِ حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	15/-
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیر ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیات اسلام	30/-
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحاد ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبر اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیات طیبہ	5/-
باغ جنت	5/-
نار جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر ۱ ایمان	25/-
نمبر ۲ جدید امکانات	25/-
نمبر ۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر ۴ اتحاد	25/-
نمبر ۵ تعمیر ملت	25/-
نمبر ۶ سنتِ رسول	25/-
نمبر ۷ میدان عمل	25/-
نمبر ۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-
इन्सान! अपने आपको पहचान	3/-
सच्चाई की तलाश	5/-
पैग़म्बरे-इस्लाम	3/-

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

U(SE)12/86